اِن شاء اللہ العزیز ـــــــــــ سال 2000ء سے

قرآن کالج فار گرلز

433۔ کے' ماڈل ٹاؤن توسیعی سکیم۔ لاہور

میں ہائی سکول کلاسز' یعنی

چھٹی' ساتویں اور آٹھویں کلاس کا آغاز بھی کر دیا جائے گا

سنجیدہ علمی ماحول میں اپنی بچیوں کو معیاری تعلیم دلوانے کے ساتھ ساتھ انہیں دینی اقدار اور اسلامی آداب سے روشناس کرانے کے خواہش مند والدین اس موقع سے فائدہ اٹھائیں

نوٹ :

مذکورہ بالا کلاسز میں باضابطہ داخلوں کا آغاز فروری 2000ء میں ہو گا

☆

زیر انتظام : **مرکزی انجمن خُدّام القُرآن لاہور**

36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : **03-5869501**

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۹
شمارہ : ۱
شوال المکرم ۱۴۲۰ھ
جنوری ۲۰۰۰ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زرتعاون ۱۰۰/-

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36- کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 - فون : 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67- گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چوہدری مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ____________ ۳

حافظ خالد محمود خضر

☆ ظروف و احوال ____________ ۵

ملکی وملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

☆ تذکرہ و تبصرہ ____________ ۷

اہل پاکستان کی دینی ذمہ داریاں اور ان کی ادائیگی کے لوازم

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ تنقیحات ____________ ۳۱

فرد کا عروج و زوال' مطالباتِ دین کے آئینے میں

محمد رشید عمر

☆ جامع القران کون؟ ____________ ۳۹

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ — عبد الرشید عراقی

☆ منہاج المسلم (۳) ____________ ۴۵

اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان — علامہ ابوبکر الجزائری

☆ سیرت و سوانح ____________ ۶۱

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

حافظ محمد صفدر ساجد

☆ صیام و قیام ____________ ۶۷

رمضان اور روزے کی اہمیت

فرخ رشید

☆ فکر عجم (۲۴) ____________ ۷۱

برصغیر میں شیعیت کا فروغ — ڈاکٹر ابو معاذ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ احوال

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں' برکتوں اور مغفرتوں کے حامل ماہِ رمضان کا دوسرا عشرہ بھی اب تیزی سے ختم ہو رہا ہے اور اس ماہ مبارک کا تیسرا عشرہ' جسے جہنم سے رُستگاری کا عشرہ قرار دیا گیا ہے' شروع ہوا چاہتا ہے۔ یقیناً خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس ماہِ سعادت کے لیل و نہار سے مستفیض ہو رہے ہیں اور صیام و قیام کے دو گونہ پروگرام کے فیوض و برکات سے اپنی جھولیاں بھر رہے ہیں۔ اور جو مسلمان اس ماہِ مبارک میں بھی تہی دامن رہ جائے وہ یقیناً بدنصیب ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلک!

یہاں قرآن اکیڈمی لاہور میں ماہِ رمضان کی راتوں کی کیفیت ہی عجیب ہوتی ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے ۱۹۸۴ء کے رمضان میں نماز تراویح کے ساتھ ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کریم کے جس روح پرور پروگرام کا آغاز فرمایا تھا وہ بحمد اللہ کسی تعطل کے بغیر جاری و ساری ہے اور ہر سال رمضان المبارک کی راتوں میں جامع القرآن قران اکیڈمی میں ایک جشن کا سا سماں نظر آتا ہے۔ دور و نزدیک سے جمع ہونے والے طالبان قرآن کا ذوق و شوق دیدنی ہوتا ہے' جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس سال یہاں دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت خود محترم ڈاکٹر صاحب حاصل کر رہے ہیں۔ لاہور میں کئی دیگر مقامات کے علاوہ کراچی اور ملک کے دوسرے شہروں میں بھی دورۂ ترجمۂ قرآن کا متعدد مقامات پر اہتمام کیا گیا ہے۔ مدیر میثاق حافظ عاکف سعید صاحب اس بار امریکہ کے شہر شکاگو میں دورۂ ترجمۂ قرآن کروا رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆

ان دنوں رمضان المبارک اور ماہِ دسمبر شانہ بشانہ گزر رہے ہیں۔ ملک خداداد پاکستان کے اعتبار سے ان دونوں مہینوں کی اہمیت مسلّم ہے' کہ پاکستان ۲۷ رمضان المبارک کو وجود میں آیا تھا ـــــ اور اپنی منزل کی سمت میں پیش قدمی نہ کر سکنے کے نتیجے میں اپنے قیام کے چوبیس برس بعد ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو دولخت ہو گیا۔ سقوط مشرقی پاکستان کے حادثہ فاجعہ کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف سے مندرجہ ذیل پریس ریلیز قومی اخبارات میں اشاعت کیلئے جاری کیا گیا :

> "مملکت خداداد پاکستان کا اپنے قیام کے صرف چوبیس برس بعد ہی سقوطِ ڈھاکہ جیسے سانحہ سے دوچار ہو جانا اگر اُس وقت تک کی ہماری سیاسی و ملی زندگی کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُس کے بعد ہم نے اصلاح کیلئے کوئی کوشش کی ہے تاکہ

آئندہ اس قسم کے حادثات سے بچا جا سکے؟ اس کا جواب ہے' ہرگز نہیں! بلکہ اُس وقت تک اخلاق و کردار کے حوالے سے پستی کی طرف ہمارے سفر کا صرف آغاز ہوا تھا جب کہ اب' اِلاّ ماشاء اللہ' ہم تمام حدیں پھلانگ کر پستی کے گہرے غاروں میں گر چکے ہیں۔ ملک کے اندر دہشت ناک اور گھناؤنے جرائم کا جو سلسلہ ایک عرصہ سے جاری تھا اس پر مستزاد ایک سو بچوں کے قتل کا حالیہ انکشاف انسانیت کے منہ پر زبردست طمانچے کی حیثیت رکھتا ہے۔ روایتی امن و امان کا مسئلہ بھی کسی طور سے قابل رشک نہیں۔ آئے روز کے بم دھماکے قیمتی جانوں کے ضیاع کا باعث ہیں۔ چوری' ڈاکے اور بر سر عام قتل کی وارداتیں روزہ مرہ کا معمول بن چکی ہیں۔ عوام کے جان و مال ' عزت و آبرو کوئی شے محفوظ نہیں۔ کاروباری اور سماجی زندگی میں جھوٹ' دھوکے' فریب اور مکاری کا دَور دورہ ہے۔ اکثر یہ کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ ساری خرابی ہماری قیادت اور اونچے طبقے میں ہے حالانکہ یہ محض خوش فہمی ہے۔ جھوٹ' بدعہدی اور خیانت پورے معاشرے میں رچی بسی ہے۔ جن لوگوں کے اندر کچھ بھی نیکی اور خدا خوفی کا جذبہ ہوتا ہے انہیں سب سے پہلے اپنی فکر ہوتی ہے اور وہ اپنی خامیاں اور کوتاہیاں دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں چونکہ ہر ایک چور ہے اس لئے وہ دوسروں کو چور چور کیے جا رہا ہے۔

اس وقت بظاہر ہمارا سب سے خوفناک اور سنگین ترین مسئلہ اقتصادی اور مالیاتی بحران کا ہے' چنانچہ جنرل پرویز مشرف کی حکومت کی تمام تر توجہ اسی مسئلے پر مرکوز نظر آتی ہے۔ اس مسئلے کی سنگینی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ عوام اگر بھوکے مریں گے تو ان کیلئے اچھائی اور برائی کی تمیز کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ لہٰذا ہمیں بیک وقت فوری اور دُور رس دونوں عوامل کو مدنظر رکھ کر ایک توازن کے ساتھ آگے بڑھنا ہو گا۔ میرے نزدیک موجودہ حکومت کو اِس وقت خواہی نخواہی ایک منفرد اور قابل رشک حیثیت حاصل ہو چکی ہے جسے اگر حالات کا جبر کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ لہٰذا اسے معمول کی کارروائیوں پر وقت اور قوت صرف کرنے کی بجائے ملک اور قوم کو اصل راہ پر لانے کیلئے بنیادی کردار ادا کرنا چاہئے۔ لوٹی ہوئی دولت کی واپسی' مجرموں کو فوری اور سخت سزا' کرپشن' سود' جوئے' فحاشی' عریانی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ زرعی اصلاحات' زراعت کو فروغ دینا اور دستور کی سطح پر قرآن و سنت کی مکمل اور غیر مشروط بالادستی ایسے امور ہیں جن پر شاید ہی کسی کو اختلاف ہو۔ البتہ ان کی خاطر خواہ انجام دہی کیلئے متعلقہ شعبہ میں ماہرین تو درکار ہوں گے ہی' اصل ضرورت عزم و ارادہ اور مادی اسباب و ذرائع سے زیادہ اللہ پر یقین اور توکل کی ہے"۔

ظروف واحوال

''سود سے متعلق سپریم کورٹ کا فیصلہ درست سمت میں ایک صحیح اقدام ہے''

''CTBT پر دستخط اور ایٹمی ٹیکنالوجی سے دستبرداری ملک وملت سے غداری کے مترادف ہے''

مسجد دارالسلام باغ جناح میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد
کے ۲۴ دسمبر ۹۹ء کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

پاکستانی قوم کو سپریم کورٹ کے سود سے متعلق فیصلے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے تو دوسری طرف موجودہ پاکستانی حکومت کی سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے میں رضامندی ظاہر کرنے پر اللہ سے پناہ طلب کرنی چاہئے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سی ٹی بی ٹی کے معاملے میں حکومت نے امریکہ سے کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے جو ملک وملت سے غداری کے مترادف ہے۔ اگرچہ سود کے مسئلے میں سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کا فیصلہ درست سمت میں ایک صحیح اقدام ہے اور حکومت نے اس فیصلے پر نظرثانی کی اپیل دائر نہ کرنے کا عزم بھی ظاہر کیا ہے لیکن ابھی کچھ کہنا قبل ازوقت ہے' کیونکہ نواز شریف حکومت نے بھی ۱۹۹۲ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے خلاف سنائے جانے والے تاریخی فیصلہ پر متضاد طرز عمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ مزید برآں اس فیصلے کی تنفیذ کے پیچیدہ مراحل ابھی باقی ہیں' جس کیلئے بڑے پیمانے پر قوانین میں تبدیلی کرنی ہوگی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کونسا قانون ساز ادارہ یا اسمبلی قوانین میں تبدیلی کرے گی جبکہ آئین خود معطل ہے۔

نواز' مشرف محاذ آرائی کے نتیجے میں حالات بڑی تیزی سے خالص مارشل لاء کی طرف بڑھتے نظر آ رہے ہیں' جس کے نتیجے میں مالیاتی قوانین میں تبدیلی کا معاملہ کھٹائی میں پڑتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ حکومت پہلے سے موجود سود کی متبادل سکیموں میں سے کسی ایک سکیم کو جلد از جلد نافذ کر دے تاکہ سود کی لعنت سے کسی حد تک چھٹکارا پایا جا سکے گا۔ اسلامی فقہ کے دور ملوکیت میں مرتب ہونے کی وجہ سے اسلامی قوانین میں غیر حاضر زمینداری' بیع مؤجل اور بیع مرابحہ کی صورت میں سود کی آمیزش موجود ہے' لہٰذا سود سے کامل نجات اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کامل اسلامی انقلاب برپا نہ کیا جائے۔

امیر تنظیم اسلامی نے حکومتی حلقوں کے اس بیان کی شدید مذمت کی جس میں کہا گیا ہے کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط سے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو پھر امریکہ اور صیہونی ادارے اس پر دستخط کرانے کیلئے بے قرار کیوں ہیں؟ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر کے ہم اللہ کی ناشکری اور دشمن کے مقابلے میں استطاعت بھر جنگی سامان فراہم کرنے کے واضح حکم خداوندی کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے۔ اِس وقت سب سے بڑا طاغوت یہودی نیو ورلڈ آرڈر اور اس کا آلۂ کار عالمی مالیاتی استعمار ہے جو کسی بھی مسلم ملک کو اپنے پیروں پر کھڑا ہوتے اور ایٹمی صلاحیت حاصل کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ لہٰذا عالمی مالیاتی استعمار کے چنگل سے نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم طاغوت کے خلاف بغاوت کر دیں اور نیو ورلڈ آرڈر کے اسلام دشمن مقاصد پورے کرنے کے بجائے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ کیونکہ ازروئے قرآن طاغوت کے انکار کے بغیر ہمارا ایمان معتبر نہیں ہو سکتا۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنا' اسامہ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کے سلسلے میں امریکہ کی مدد کرنا اور طالبان حکومت کو تسلیم کرنے کے بعد ریورس گیئر لگانا اسلام کے کاز سے بہت بڑی غداری ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اگرچہ میری رائے یہی ہے کہ ۱۲/اکتوبر کا اقدام سابقہ حکومت کے غلط فیصلوں کے نتیجے میں جوابی کاروائی کے طور پر کیا گیا۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ۱۲/اکتوبر کے واقعہ میں امریکہ کا کوئی ہاتھ ہو تاکہ ایٹمی ٹیکنالوجی سے دستبرداری کے سب سے بڑے مخالف ادارے یعنی فوج کے ذریعے ہی یہ کام کروایا جا سکے۔ اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ نیوکلیئر انرجی سے متعلق معاملات کی نگرانی کرنے والی مشینیں امریکی سفارت خانے میں پہنچائی جا چکی ہیں۔

جماعت اسلامی اور دیگر دینی جماعتوں کو احتساب کی رٹ لگانے کی بجائے وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کے خلاف زوردار صدائے احتجاج بلند کرنی چاہئے۔ اور ہرچہ بادا باد کے مصداق ڈٹ کر میدان میں آ جانا چاہئے۔

احادیث نبویؐ میں موجود واضح پیشین گوئیوں کے مطابق دنیا بڑی تیزی سے ایک خوفناک جنگ کی طرف بڑھ رہی ہے جسے آرمیگاڈان یا الملحمۃ العظمیٰ کا نام دیا گیا ہے' جو یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان لڑی جائے گی۔ اس جنگ میں پاکستان اور افغانستان کا ایک خاص رول ہے۔ ہمیں ان بشارتوں کا مصداق بننے کیلئے یہاں شریعت اسلامی کا نفاذ اور ایٹمی صلاحیت کی حفاظت کی خاطر نیو ورلڈ آرڈر کے تقاضے پورا کرنے سے انکار کرنا ہو گا۔

اہلِ پاکستان کی دینی ذمّہ داریاں اور ان کی ادائیگی کے لوازم

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کے چار خطاباتِ جمعہ (۲۹/اکتوبر تا ۲۶ نومبر ۹۹ء) سے ماخوذ

مرتّب : فرقان دانش خان

۱۲/اکتوبر کے فوجی اقدام کے بعد ملکی صورتحال ایک سسپنس اور حالت منتظرہ کی کیفیت میں ہے۔ عجیب صورتِ حال یہ ہے کہ دستور ہے بھی اور نہیں بھی۔ جنرل پرویز مشرف نے اقتدار سنبھالنے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں جو سات نکاتی پروگرام پیش کیا تھا اس سے کسی کو کیا اختلاف ہو گا۔ لیکن اب کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس پروگرام پر عمل درآمد نظر نہ آنے کے باعث عوام میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ تاہم ان سب مسائل کے علی الرغم ایک تشویش ناک بات یہ ہے کہ موجودہ حکومت کے بعض اقدامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ سیکولرزم کی طرف بڑھ رہی ہے' جو ملک کے لئے نقصان دہ ہی نہیں اس کے استحکام اور وجود کی بقاء کے لئے سم قاتل ہے۔ کیونکہ اس بات میں کسی کو کوئی شک نہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا۔ علامہ اقبال کے اس شعر کا اطلاق دُنیا کے اور کسی مسلمان ملک یا قوم پر ہو یا نہ ہو' پاکستان پر ضرور ہوتا ہے ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی

دوسری مسلم اقوام کے دُنیا میں ابھرنے اور قائم رہنے کی اور بہت سی بنیادیں ہو سکتی ہیں۔ جیسے کمال اتاترک نے نسل اور زبان کی بنیاد پر ترک نیشنلزم کا نعرہ لگا کر پوری قوم کو کھڑا کر دیا تھا۔ اسی طرح لسانی بنیاد پر عرب نیشنلزم اُبھرا تھا اور اس نے بھی اپنی طاقت کا مظاہرہ اس طور سے کیا تھا کہ جمال عبد الناصر نے انگریزوں کو بحیرۂ روم میں اٹھا کر پھینک دیا تھا' لیکن پاکستان

کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ نہ یہاں کوئی ایک نسل ہے نہ کوئی ایک زبان ہے۔ کسی نسلی یا لسانی بنیاد پر یہ ایک قوم بنتی ہی نہیں' البتہ نظری طور پر وطن کو معبود بنا کر پاکستانی قومیت کی بنیاد رکھی جا سکتی تھی' لیکن مسلمان کی سرشت میں زمین کی وہ اہمیت سرے سے نہیں ہے' اس کا مزاج آفاقیت کا حامل ہے۔ بقول اقبال ؎

"مسلم ہیں ہم' وطن ہے سارا جہاں ہمارا!"

نیز برِّعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں میں سوائے مذہب کے کوئی شے مشترک تھی ہی نہیں۔ بنگالی مسلمان کی زبان' ان کا کلچر' کھانے پینے کا انداز' ان کا لباس دوسرے مسلمانوں بالخصوص سرحد اور بلوچستان کے مسلمانوں سے بالکل جدا تھا۔ لہٰذا اسلام کو بنیاد بنائے بغیر جس کا مظہر یہ نعرہ تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ" کوئی امکان نہیں تھا کہ پاکستان وجود میں آ جاتا۔ گویا پاکستان کا قیام' اس کا پس منظر اور تاریخ تو اسلام کے ساتھ وابستہ ہے ہی' اس کے استحکام اور وجود کے برقرار رہنے کی بنیاد بھی اسلام کے سوا کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد جب اس کی اصل اساس یعنی اسلام سے ہم نے دُوری اختیار کی تو وہ ایک قوم بھی تحلیل ہو کر رہ گئی اور اب صوبائیت' لسانیت اور مسلکوں کی بنیاد پر صرف تفرقہ بازی باقی رہ گئی ہے۔ لہٰذا یہاں کوئی ایسی شے نہیں جو اس ملک کو مستحکم کر سکے' سوائے اسلام کے۔ اور اگر کسی کو دیانت داری سے اس ملک کا استحکام مطلوب ہے تو اسے جان لینا چاہئے کہ اسلام کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ گویا ؏ "کافر نتوانی شد' ناچار مسلماں شو!" کے مصداق ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ہم اسلام کو چھوڑ کر قائم رہ سکیں۔

مزید برآں مستقبل میں عالمی خلافت ارضی کے قیام میں اس ملک کا جو کردار ہے' جس کے واضح اشارات صحیح احادیث میں ملتے ہیں' اس ضمن میں بھی ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ یہاں اسلامی نظام قائم کیا جائے۔

اب جبکہ پاکستان میں نفاذِ اسلام کے ضمن میں ریاستی سطح پر کسی مثبت اقدام کی توقع باقی نہیں رہی تو اب یہ ساری ذمہ داری ہم پر ہے' اس ملک کے بسنے والوں پر ہے' عوام پر ہے کہ وہ اقامت دین کیلئے کوشش کریں۔ کیونکہ یہ ایک اصول ہے کہ اگر ملک میں نظم و ضبط قائم ہو' فوج سرحدوں پر حفاظت کر رہی ہو' پولیس امن و امان کے قیام کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہی ہو' تو آپ پاؤں پھیلا کر سو سکتے ہیں۔ لیکن اگر خدانخواستہ chaos ہو جائے اور آپ کی حفاظت کی یہ صورت برقرار نہ رہے تو ظاہر بات ہے کہ ہر شخص کو اپنے گھر کا پہرا خود دینا ہو گا۔ اسی طرح اب اگر ریاستی سطح پر کوئی توقع فی الحال نظر نہیں آ رہی ہے تو اب یہ

ساری ذمہ داری افراد پر آ گئی ہے۔ بقول اقبال ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اگرچہ ہمارا ہمیشہ سے موقف یہ رہا ہے کہ یہ کام منہاجِ محمدیؐ پر عمل کرتے ہوئے صرف انقلابی جدوجہد کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے' لیکن ہم نے خود ماضی میں حکومتی سطح پر کوشش کی ہے کہ دستوری ترامیم کے ذریعے نفاذِ اسلام کی طرف پیش رفت ہو سکے' جس میں ہمیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن اب جو صورتِ حال بنی ہے اس میں تو حکومت سے بھی کوئی توقع نہیں رہی۔ چنانچہ موجودہ صورتِ حال میں دینی حوالے سے ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں' ان پر گفتگو سے پہلے کچھ باتیں تمہیداً عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اس ضمن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہر انسان پر گوناگوں ذمہ داریوں کا بوجھ ہے اور ہر انسان ان ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ سورۃ البلد میں تین آیتوں میں قسم کھائی گئی ﴿ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ○ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ○ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ○ ﴾ یہ تین آیات قسموں پر مشتمل ہیں : "میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی' اور اے نبی! آپؐ اس میں آباد ہیں (لوگ آپؐ پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں) اور قسم کھاتا ہوں والد اور مولود کی۔" یعنی یہ جو سلسلہ ہے بقائے نسل انسانی کا' کتنا بوجھ ہے جو انسان اٹھاتا ہے۔ اولاد کی پرورش اور ان کا پیٹ پالنا کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔ ان تین چیزوں کو سامنے رکھ کر فرمایا : ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ○ ﴾ "ہم نے انسان کو مشقت ہی میں پیدا کیا"۔ محض جسمانی مشقت اور محنت ہی نہیں' اس سے آگے بڑھ کر انسان کو قدم قدم پر دکھ' رنج اور صدمات سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مشقت اور محنت تو حیوانات بھی کرتے ہیں' لیکن حیوانات میں وہ احساسات نہیں جو انسان کے پاس ہیں۔ انسان کے جو احساسات اپنے عزیز و اقارب اور اولاد کے بارے میں ہوتے ہیں وہ حیوانات میں نہیں ہوتے۔ مثلاً بلّی اپنے بچوں کو اُس وقت تک تو سنبھالتی ہے جب تک وہ خود کھانے پینے کے قابل نہ ہو جائیں' لیکن اس کے بعد کون ماں اور کون بیٹا یا بیٹی؟ جبکہ انسان ساری عمر اولاد کے لئے بے چین اور متفکر رہتا ہے۔ پھر یہ کہ بعض اوقات یہی اولاد بڑی ہو کر اپنے والدین کے لئے دکھ کا باعث بنتی ہے۔ للہذا مصائب اور رنج انسان کی زندگی کا حصہ ہیں۔ جیسا کہ غالب نے کہا ہے ؎

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں!

گویا یہ غم انسان کا مقدر ہے' موت سے پہلے اس سے نجات کی کوئی توقع نہیں۔ سورۃ الانشقاق میں اس سے اگلی بات آئی ہے :

﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ○ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ○ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ○ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ○ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ○ یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ○ ﴾

"جب یہ آسمان پھٹ جائے گا اور وہ (آسمان) اپنے رب کا حکم سنے گا اور حکم بجا لائے گا' کیونکہ وہ اسی کا سزاوار ہے' اور جب زمین کھینچی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہو گا اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور وہ بھی اسی لائق ہے کہ اپنے مالک کا حکم مان لے اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہئے (قیامت کا یہ نقشہ کھینچ کر فرمایا جا رہا ہے کہ) اے انسان تجھے مشقت پر مشقت جھیل کر بالآخر اپنے رب کے حضور میں بھی حاضر ہونا ہے"۔

حیوانات کے لئے تو یہ مرحلہ نہیں آئے گا۔ انسان کا المیہ تو یہ ہے کہ دُنیا کے یہ سارے بوجھ بھی اٹھائے' صدمات بھی جھیلے' مشقتوں کو برداشت کرے اور پھر ایک دن اسے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا جواب بھی دینا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے :

"ابنِ آدم کے قدم (بروز قیامت) بارگاہِ خداوندی سے اُس وقت تک ہل نہیں سکیں گے جب تک اُس سے پانچ چیزوں کا حساب نہ لے لیا جائے : اپنی عمر کہاں لگائی؟ خاص طور پر جوانی کہاں کھپائی؟ مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا تھا؟

اور جو علم حاصل کیا تھا اس پر عمل کتنا کیا تھا؟"

گویا انسان پر یہ دوہری مشقت کا معاملہ ہے کہ اسے آخرت میں بھی جواب دینا ہے۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ بڑے کیف کے عالم میں کہا کرتے تھے "کاش میں گھاس کا ایک تنکا ہوتا جو آگ میں ڈال کر جلا دیا جاتا اور اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی' کاش میں درختوں پر چہچہاتی ہوئی چڑیا ہوتا جس کا کوئی محاسبہ نہیں ہو گا"۔ دراصل یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کے احساس کی شدت کا مظہر تھا۔ اس احساس سے ہر انسان کو لرزاں و ترساں رہنا چاہئے۔

انسان پر عائد ذمہ داریوں کی دو اقسام

انسان پر دُنیا میں جو دُنیوی اور دینی ذمہ داریوں کے بوجھ ہیں ان کا تجزیہ کریں تو انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

وہ ذمہ داریاں جن کا داعیہ اور تقاضا ہمارے اندر موجود ہے۔ ان کے لئے کسی یاددہانی' وعظ اور تلقین کی ضرورت نہیں۔ مثلاً پیٹ کھانے کو مانگتا ہے' اس کے لئے ہر شخص محنت کرتا ہے۔ آپ کہیں یہ وعظ نہیں سنیں گے کہ معاش کی ضروریات کے لئے ہر کوئی ضرور جدوجہد کرے۔ اسی طرح ہر شخص کو چھت کی ضرورت ہوتی ہے' ہر انسان اس کے لئے کوشش کرتا ہے کہ سر چھپانے کو اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور بنائے' خواہ وہ کٹیا ہو' جھونپڑی ہو یا محل ہو۔ اسی طرح مَرد و زن میں جنسی جذبہ موجود ہے' انسان شادی بھی کرتا ہے۔ اس کے لئے بھی کسی وعظ اور ترغیب و تشویق کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح تین تقاضے یا ذمہ داریاں ایسی ہیں کہ جن کے لئے کوئی بنیاد ہمارے نفس میں موجود نہیں' بلکہ ان کا تعلق ہماری سوچ' ہمارے نظریات' افکار اور عقائد سے ہے۔ ان میں سب سے پہلی ذمہ داری ملک کے حوالے سے ہے جس میں آپ رہتے ہیں' جو آپ کا وطن ہے۔ خواہ وہ جدید نظریۂ وطنیت کے مطابق اس طور سے آپ کا معبود نہیں بھی ہے' تب بھی اس کی آزادی کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے رہنے والوں پر ہے۔ چنانچہ اس ملک میں بسنے والے افراد کے اندر یہ مادہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی توانائیوں' قوتوں' اوقات اور صلاحیتوں کا کچھ حصہ اپنے وطن کے لئے مختص کر دیں۔ اگر یہ ہو گا تو وطن سربلند ہو گا' آزاد و برقرار رہے گا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کشتی کے سواروں کا کشتی سے تعلق ہوتا ہے کہ اگر یہ کشتی تیرے گی تو وہ بھی تیرتے رہیں گے اور بحفاظت رہیں گے' اور اگر یہ کشتی ڈوبتی ہے تو وہ بھی ڈوبیں گے۔

دوسرا تقاضا قوم کے حوالے سے ہے۔ اگرچہ آج کی دُنیا میں وطن اور قوم ایک ہی پلڑے میں رکھ دیئے گئے ہیں' لیکن ہم مسلمانوں کے اعتبار سے وطن علیحدہ شے ہے اور قوم الگ شے ہے۔ ہماری قومیت ہمارے وطن کے حوالے سے نہیں ہے' ہماری قومیت تو عالمگیر ملّتِ اسلامیہ پر مشتمل ہے۔ ہم مسلم قوم کے افراد ہیں۔ ہر مسلمان جو کہیں بھی بستا ہو مسلمان قوم کا حصہ ہے۔ اگر ہم اپنی قوم کے لئے اپنی صلاحیتوں' قوتوں اور اوقات کا ایک حصہ وقف نہیں کرتے تو یہ امت یا قوم ذلیل و رسوا ہو جائے گی اور یہ قوم آج نہیں تو کل ڈوبے گی۔

تیسری شے دین ہے' جسے عام طور پر لوگ مذہب کہتے ہیں۔ دین و مذہب کے حوالے سے بھی ہر انسان پر کچھ ذمہ داری کا بوجھ آتا ہے۔ کوئی مذہب اسی وقت سربلند ہو گا جب اس مذہب کے ماننے والے اس کے لئے قربانی دینے کو تیار ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب ہم نے اسلام کے لئے قربانیاں دینا چھوڑ دی ہیں تو اسلام کا وہ دبدبہ اور وقار نہیں رہا ہے جو ماضی میں تھا۔

ہم مسلمانانِ پاکستان مؤخر الذکر تینوں داعیات کے اعتبار سے دُنیا کی خوش قسمت ترین قوم تھے' کیونکہ ہمارے لئے یہ تینوں تقاضے سمٹ کر ایک ہو گئے تھے۔ ہمارے وطن کی بنیاد اسلام کے سوا کوئی نہیں۔ ہماری قومیت بھی اسلام سے وابستہ ہے اور ہمارا دین یا مذہب بھی اسلام ہے۔ اگر ہم اسلام کے ساتھ وفاداری کرتے' اس کے تقاضوں کو ادا کرتے' اسے حقیقی معنوں میں قائم و نافذ کرتے تو ایک تیر سے تین شکار والا معاملہ ہوتا' ہمارا وطن بھی مضبوط ہوتا' قوم یعنی ملت اسلامیہ کو بھی سربلندی ملتی اور دین کا غلبہ بھی ہوتا۔ لیکن اس خوش قسمتی کو ہم نے اپنی کوتاہی سے بدقسمتی میں تبدیل کر لیا ہے۔ اس لئے کہ اگر یہاں دین نہیں آئے گا تو جان لیجئے کہ وطنیت کی بنیاد پر یہ ملک اکٹھا نہیں رہ سکتا' مضبوط نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اسلام سے مخلص ہو جاتے تو آج یہ صورتِ حال نہ ہوتی کہ ملک دولخت ہو چکا ہے۔ پھر یہ کہ یہاں آزاد بلوچستان' سندھو دیش اور پختونستان کے نام سے علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ اب تو عالمی پریس یہاں تک کہہ رہا ہے کہ "Can Pakistan be saved?" کیا پاکستان کو (اب بھی) بچایا جا سکتا ہے؟ گویا ہماری بربادی کی پیشین گوئیاں کی جا رہی ہیں۔ لیکن اگر ہم اب بھی اپنی ذمہ داریاں' جو دین کے حوالے سے ہم پر عائد ہوتی ہیں' پورا کریں تو سربلند ہو سکتے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں وہ ذمہ داریاں کیا ہیں؟

ہماری دینی ذمہ داریاں

ہماری وہ دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں جو موجودہ صورتِ حال میں نفاذِ اسلام کی طرف پیش رفت کے ضمن میں ریاستی و حکومتی سطح پر موجودہ حکمرانوں سے توقع ختم ہونے کے بعد ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ اتفاق سے ہماری دینی ذمہ داریاں یا فرائض دینی بھی تین ہی ہیں :

① عبادتِ رب

ہماری پہلی ذمہ داری ہے عبادت' یعنی اللہ کی بندگی کرنا۔ چنانچہ قرآن مجید نے سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع کا آغاز ہی نوعِ انسانی سے اس مطالبے سے کیا ہے :

﴿ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

"اے آدم کی اولاد! اپنے رب کی بندگی کرو' جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلے دُنیا میں جتنے لوگ گزرے انہیں بھی پیدا کیا' تاکہ تم بچ سکو۔"

اللہ کی بندگی اختیار کرو گے تو دُنیا میں افراط و تفریط کے دھکوں سے بچ جاؤ گے' جبکہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچو گے اور جنت میں داخل کر دیئے جاؤ گے۔ سورۃ الذاریات میں تو عبادتِ رب ہی کو انسان کی تخلیق کا مقصد قرار دیا گیا ہے : ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ "میں نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔"

عبادتِ رب کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ بھی عبادات ہیں' لیکن اصل عبادت یہ ہے کہ پوری زندگی میں اللہ کی بندگی اختیار کی جائے' ہماری ہر حرکت اللہ کی مرضی کے مطابق ہو' کہیں اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہو' کسی بھی ہستی یا ادارے کی ایسی اطاعت نہ کی جائے جس سے اللہ کی معصیت لازم آتی ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ)) "مخلوق میں سے کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی اگر خالق کی معصیت کا اندیشہ ہو۔"

عبادت کے مفہوم کی وضاحت کے لئے قرآن و سُنّت میں دوسری اصطلاحات بھی استعمال ہوئی ہیں۔ ان میں ایک لفظ ہے "اسلام" جس کا مطلب ہے گردن نہادن' سرِ تسلیم خم کر دینا' یا سپر انداختن۔ انگریزی میں اس کی درست تعبیر یوں ہو گی "to surrender" یعنی جو حکم بھی ملے اسے بلاچون وچرا قبول کرلو۔ اس رویئے کا نام اسلام ہے۔

دوسری اصطلاح اطاعت ہے۔ یہ "طوع" سے بنا ہے' جس کا معنی ہے دلی آمادگی۔ گویا دلی آمادگی سے حکم ماننا اطاعت ہے۔ اطاعت میں اللہ کے ساتھ اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بھی شامل ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی : ﴿ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی"۔

اس ضمن میں تیسرا لفظ ہے تقویٰ۔ یعنی اللہ کی بندگی اور اطاعت کا ایسا احساس دل میں بیدار ہو جائے کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی پر طبیعت آمادہ ہی نہ ہو۔ کوئی بھی قدم اٹھانے

سے پہلے انسان سوچے کہ اس سے میرا رب ناراض تو نہیں ہو جائے گا؟ یہ تقویٰ ہے۔

بندگی کے لئے چوتھی ہمہ گیر اور جامع ترین اصطلاح "عبادت" ہے۔ یعنی اللہ کی غلامی۔ شیخ سعدیؒ نے اس مفہوم کی بڑی عمدہ ترجمانی کی ہے ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی!

لیکن محض بندگی یا غلامی "عبادت" نہیں ہے جب تک کہ اس میں پرستش شامل نہ ہو۔ پرستش میں محبّت کا جذبہ شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ عبادت کا مفہوم ہو گا اللہ کی بندگی اور اس کی پرستش۔ امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ عبادت کی تعریف یوں کرتے ہیں "اَلْعِبَادَةُ تَجْمَعُ اَصْلَيْنِ: غَايَةَ الْحُبِّ مَعَ غَايَةَ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ" یعنی حد درجے میں اللہ کے سامنے خود کو بچھا دینے اور حد درجے اللہ کی محبت سے عبادت کا صحیح مفہوم واضح ہوتا ہے۔

عبادت کے اعتبار سے اگر ہم جائزہ لیں تو ہمارے سامنے دو قسم کے احکام آتے ہیں۔ ایک وہ احکام ہیں جن پر ہم ہر جگہ بلاروک ٹوک عمل کر سکتے ہیں' مثلاً نماز پڑھنے پر کہیں پابندی نہیں ہے۔ روزہ رکھنے' عمرہ وحج کرنے اور زکوٰۃ دینے سے کوئی نہیں روکتا۔ اسی طرح شراب پینے پر کہیں بھی کوئی مجبور نہیں کرتا۔ سود حرام ہے' ایک درجے تک ہم اس کے براہ راست لین دین سے بھی بچ سکتے ہیں۔ پردہ بھی کر سکتے ہیں' ٹھیک ہے لوگوں کی باتیں سنی پڑیں گی' لیکن کر تو سکتے ہیں۔ اس قسم کے احکام جن پر ہم ذاتی طور پر عمل کر سکتے ہیں' اگر نہیں کریں گے تو خود مجرم ہوں گے۔

البتہ کچھ احکام ایسے ہیں جن پر ہم انفرادی طور پر عمل نہیں کر سکتے۔ مثلاً قرآن کا حکم ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ ڈالو' مگر وہ ہم نہیں کاٹ سکتے جب تک کہ پورا نظام نہ بدلے۔ زنا کی حد بھی ہم نافذ نہیں کر سکتے۔ اس اعتبار سے ہماری بندگی نامکمل ہے۔ کیونکہ شریعت کے اس حصے پر ہم عمل نہیں کر سکتے۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسلام کے نظام کو قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ جب تک یہ نظام قائم نہ ہو اُس وقت تک یہ ضروری ہے کہ جس حصے پر میں عمل کر سکتا ہوں (خواہ کوئی دقت آ جائے' مشکل آ جائے' لوگ ناراض ہو جائیں) اس پر ضرور عمل کروں۔ بہرحال ہمارے فرائض کی پہلی سطح یہ ہے کہ خود اللہ کے بندے بنیں۔ یہی ہماری غایتِ تخلیق ہے۔ تمام انبیاء نے اسی کی دعوت دی ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ "کہ اللہ کی بندگی اختیار کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔" یہی قرآن کی دعوت ہے۔ یہی حضرت محمد ﷺ کی دعوت تھی۔

(۴) شہادت علی النّاس

ہمارے دوسرے فرض اور دوسری ذمہ داری کا تعلق رسالتِ محمدیؐ سے ہے' کیونکہ حضور ﷺ کو تمام نوعِ انسانی کے لئے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ تمام نوعِ انسانی تک تبلیغ آپؐ نے خود تو نہیں کی تھی۔ اُس زمانے میں بھی ایران اور مصر میں دعوت و تبلیغ کا جو کام ہوا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعے ہوا ہے۔ ملائشیا اور انڈونیشیا میں بھی مسلمان تاجروں کے ذریعے اسلام پہنچا تھا۔ لہٰذا حضور ﷺ کے فریضۂ رسالت کے ضمن میں قیامت تک آنے والے انسانوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری کا بوجھ عملاً اب اُمّت کے کاندھوں پر ہے۔

گویا رسالتِ محمدیؐ سے ہمارے تعلق کے دو حصّے ہوئے' ایک حصّہ تو یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ اس کے رسول کی اطاعت بھی ہو' مثلاً اللہ کا حکم ہے کہ نماز پڑھو۔ اب کیسے پڑھیں؟ کیونکہ قرآن میں تو نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں بتایا گیا۔ چنانچہ نماز کا طریقہ حضور ﷺ نے بتایا کہ نماز ایسے پڑھی جائے۔ یہ نہیں کہ جیسے جی میں آیا دھیان لگا کر بیٹھ گئے اور نماز ہو گئی۔ اسی طرح روزہ کے احکامات محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے دیئے ہیں۔ زکوٰۃ کا جو نصاب اور شرح آپؐ نے مقرر کی ہے ہمیں اس کی اطاعت کرنی ہو گی۔ لیکن دوسرا رخ یہ ہے کہ ہم آنحضور ﷺ کے اُمّتی ہونے کی حیثیت سے آپؐ کے ان فرائضِ رسالت کی ادائیگی پر جو تمام عالمِ انسانیت کے ضمن میں آپ ﷺ پر عائد ہوتے ہیں' اللہ کی طرف سے مامور ہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی اُمّت (بہترین امت) بنایا' تا کہ تم گواہ ہو جاؤ پوری نوعِ انسانی پر اور رسول گواہ ہو جائیں تم پر"۔

ہم درمیانی اُمّت کس معنی میں ہیں؟ دیکھئے اللہ اور رسول کے درمیان واسطہ جبرائیل علیہ السلام تھے' جبکہ جبرئیل اور صحابہؓ کے درمیان حضرت محمد ﷺ تھے۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ اور پوری انسانیت کے درمیان ہم یعنی اُمّتِ محمد واسطہ ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ سے پیغام لیا اور محمد ﷺ کو پہنچایا۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پیغام لیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہنچا دیا۔ اب یہ امت کی ذمہ داری ہے کہ تمام نوعِ انسانی تک اللہ کا پیغام پہنچائے۔ یہ ذمہ داری بہت بھاری ہے۔ اگر ہم نے یہ ذمہ داری ادا نہ کی تو نوعِ انسانی اللہ کی عدالت میں

ہمارے خلاف استغاثہ کرے گی کہ اے اللہ! تیرے دین کو پہنچانا ان کے ذمہ تھا' انہوں نے نہیں پہنچایا' بلکہ انہوں نے اپنے عمل سے ہمیں تیرے دین سے متنفر کیا' ان کو دیکھ کر ہم تیرے دین کی طرف مائل نہیں ہو سکتے تھے۔ جیسا کہ جارج برنارڈ شا نے کہا تھا کہ "جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہو سکتی' لیکن جب مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو ان سے زیادہ ذلیل قوم دُنیا میں کسی کو نہیں پاتا۔" حقیقتاً یہ صورتحال انتہائی افسوسناک ہے کہ دُنیا میں کرپٹ ترین ممالک مسلمان ہیں۔ بہرحال یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے قول و عمل سے اللہ کا دین لوگوں تک پہنچائیں۔

اس ذمہ داری کی ادائیگی کے ضمن میں بھی بہت سی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً تبلیغ' یعنی دوسروں کے پاس خود چل کر جانا اور دین کا پیغام پہنچانا۔ ایک دوسرا لفظ ہے دعوت' کہ کسی کو کھینچ کر اللہ کے راستے میں لے آنا۔ یہ تبلیغ اور دعوت ایک ہی عمل کے دو حصے ہیں۔ یہ وہ دوسرا کام ہے جو ہم میں سے ہر شخص کو کرنا ہے۔

اگرچہ بحیثیتِ مجموعی یہ پوری امت کی ذمہ داری ہے' لیکن پوری امت سوئی ہوئی ہو تو پھر کیا کریں گے! کیونکہ اگر کوئی بھی نہیں کرے گا تو پوری امت گنہگار ہو گی۔ اور آج اس امت پر ذلت و مسکنت کا جو عذاب آیا ہوا ہے وہ اسی ذمہ داری کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ کشمیر میں جو ہو رہا ہے کہ بھارت کی زیادتی کے باوجود ہم اسے الٹی میٹم نہیں دے سکتے کہ وہاں سے نکلو' ورنہ پھر تخت یا تختہ ہو گا۔ اسی طرح چیچنیا میں روس کی جارحیت کے خلاف کسی مسلمان ملک نے آواز تک اٹھانا گوارا نہیں کیا۔ یہ ذلت اور مسکنت کا عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟ لہٰذا اگر پوری امت سوئی ہوئی ہو تو قرآن نے اس کا راستہ بھی بتا دیا ہے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ ﴾

یعنی اگر کبھی ایسا وقت آ جائے تو کچھ لوگ تو بیدار ہو جائیں' پھر وہ دوسروں کو جگائیں' اور مل جل کر بڑی امت میں ایک چھوٹی امت بن جائیں۔ اُن کا کام یہ ہو کہ وہ خیر کی دعوت دیں' نیکی کا حکم دیں اور بدی سے روکیں' یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

(۳) اقامتِ دین

اب آیئے تیسری ذمہ داری کی طرف۔ وہ یہ ہے کہ اس دین اسلام کو قائم کرو' اس قرآن کے نظام کو نافذ کرو۔ ظالمانہ' استحصالی نظام جس میں عدل و قسط نہیں ہے' اس کو بیخ د

بُن سے اکھاڑ کر اللہ کا دیا ہوا نظام قائم کرو۔ اگر یہ نظام قائم نہیں ہے تو تمہاری عبادات بھی قبول نہیں ہیں' کیونکہ یہ تینوں فرائض ایک تکون کے اضلاع کی مانند لازم و ملزوم ہیں۔ تکون کے تین سرے ہوتے ہیں۔ یوں سمجھئے اس کے قاعدہ کے ایک سرے پر تو لا اِلٰہ اِلاّ اللہ ہے' دوسرے پر محمد رسول اللہ ہے۔ "لا اِلٰہ اِلاّ اللہ" کا تقاضا ہے بندگی رب' یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت' تقویٰ یا عبادت۔ جبکہ "محمدؐ رسول اللہ" کا تقاضا ہے تبلیغ' دعوت' امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس' یعنی لوگوں پر ایک حجت قائم کر دینا تاکہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں تو کسی نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں۔ تکون کے تیسرے سرے پر فریضہ اقامتِ دین ہے۔ تکون کے نچلے دونوں سرے اس تیسرے نقطے یا سرے پر آ کر مل جاتے ہیں۔ گویا اس کا مطلب ہوا کہ عبادت بھی اُسی وقت مکمل ہو گی جب سارے احکامِ شریعت نافذ ہو جائیں' ساری حدود و تعزیرات پر عملدر آمد ہو۔ اسی طرح شہادت علی النّاس کا فریضہ بھی اُس وقت تک نامکمل ہے جب تک ہم اس دین کو قائم کر کے نہ دکھا دیں جس کی دعوت دے رہے ہیں۔ کیونکہ دین کا نظام قائم ہو گا تو لوگ اس کی حقانیت کو تسلیم کریں گے' ورنہ سب کتابی باتیں ہوں گی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ دین کا قائم کر دینا میرے ہاتھ میں نہیں ہے' لیکن اس نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد میں اپنا تن من دھن کھپا دینا تو میرے اختیار میں ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اپنی امکانی حد تک کوشش کر رہا ہو کہ اللہ کا دین قائم ہو جائے تو گویا باطل نظام کے تحت زندگی گزارنے کا جو گناہ ہے' یہ اس کا کفارہ ہو جائے گا۔

یہی وہ ذمہ داری ہے جو اہلِ پاکستان کے حصے میں آئی ہے کہ ہم یہاں دُنیا کو اسلام کا ایک عملی نمونہ قائم کر کے دکھا سکتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے اپنے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں کہا تھا کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد ریاست کا قائم ہونا تقدیر مبرم ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ اصل اسلام' یعنی دورِ خلافتِ راشدہ کے اسلام کا ایک نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں گے اور عرب امپیریلزم کے دور میں اسلام کے چہرے پر جو پردے پڑ گئے تھے انہیں اٹھا سکیں گے۔ یہی بات قائداعظم محمد علی جناح نے کہی تھی کہ ہم پاکستان اسی لئے چاہتے ہیں کہ عہد حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کی ایک عملی مثال دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ ہم جب تک یہ نہیں کرتے' دُنیا کی حجت ہم پر قائم ہے کہ ہم نے ان تک دین نہیں پہنچایا۔

ہر شخص کو ان تینوں فرائض کا گہرا شعور ہونا چاہئے۔ ہمارے ہاں فرائض دینی کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ صرف نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ فرائض ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا

تینوں فرائض یعنی عبادتِ رب' شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے بارے میں لوگوں کو کوئی نہیں بتاتا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں ان فرائض کی ادائیگی کا پختہ احساس ہو' کیونکہ اگر یہ خاکہ ہمارے ذہن میں ہوگا تو ہمارے سامنے صحیح تصور آئے گا کہ ہمارا دین ہم سے کیا چاہتا ہے۔

ہماری دینی ذمّہ داریوں کی ادائیگی کے شرائط و لوازم

ان فرائض کی ادائیگی کے ضمن میں کچھ شرائط یا لوازم بھی ہیں۔ جس طرح نماز کی ادائیگی کے لئے وضو شرطِ لازم ہے اور وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی' اسی طرح مذکورہ بالا فرائض کی ادائیگی کے لئے بھی تین لوازم یا شرائط ہیں۔

(۱) یقین قلبی

پہلا لازمہ یہ ہے کہ قلبی یقین والا ایمان پیدا کیا جائے' صرف زبانی اقرار والا ایمان نہ ہو۔ اگر ایمان کا معاملہ زبانی کلامی ہو تو ان فرائض کو ادا نہیں کیا جاسکتا۔ دراصل ایمان کے دو درجے ہوتے ہیں۔ ایک کو قانونی ایمان کہہ لیں جبکہ دوسرے کو حقیقی ایمان کہا جاتا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۳۶ میں ایمان کے دو درجات کی طرف اشارہ ملتا ہے :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ﴾

"اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر' اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اُن کتب پر بھی جو اس نے پہلے نازل فرمائیں۔"

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اہل ایمان کو مخاطب کر کے انہیں کہا جارہا ہے کہ ایمان لاؤ۔ اس کا کیا مطلب ہے' سوائے اس کے کہ ایمان کے دو مراتب ہیں۔ چنانچہ یہاں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے کا اقرار کرنے والوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں' اور یقین قلبی کے حصول کی کوشش کریں۔ سورۃ الحجرات میں اس کی مزید وضاحت کر دی گئی کہ پہلے درجے کے "اقرار باللّسان" والے قانونی ایمان کا نام اسلام ہے' اور حقیقی ایمان کا تعلق دل کے یقین کے ساتھ ہے۔ فرمایا :

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا

يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ (آیت ۱۴)

"یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اے نبیؐ ان سے کہہ دیجئے! تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' ہاں' تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں' جبکہ ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔"

اس بات کو سمجھئے کہ اسلام اور ایمان کا یہ فرق کیوں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس لئے کہ اسلام کی بنیاد پر دُنیا کا سارا نظام چلتا ہے اور دل کے یقین کو چیک کرنے کا کوئی آلہ اس دُنیا میں نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارے تمام دُنیوی معاملات' ہمارا قانونی و معاشرتی نظام اسلام کی بنیاد پر چلتا ہے۔ نکاح' گواہی' وراثت کی تقسیم' نماز جنازہ اور مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین وغیرہ کے لئے ہم کسی کو صرف کلمہ شہادت کے اقرار پر ہی مسلمان قرار دیں گے۔ البتہ اللہ کے ہاں تمام معاملات حقیقی ایمان کی بنیاد پر طے ہوں گے۔ اگر دل میں یقین ہے تو نجات حاصل ہو سکے گی۔ یقین تھوڑا بھی ہو سکتا ہے اور یہ بے انتہا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ یقین بروزِ قیامت پل صراط پر نور کی شکل میں ظاہر ہو گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ کسی کے ایمان کی روشنی اتنی محدود ہو گی کہ صرف قدموں کے آگے پڑ رہی ہو گی۔ اگرچہ اُس سخت ترین مقام کے لئے یہ بھی بہت بڑا سہارا ثابت ہو گی۔ جبکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے ایمان کی روشنی اتنی دور تک پھیلے گی جتنا مدینہ سے صنعا (یمن) کی مسافت ہے۔ تاہم قیامت کے دن بنیادی requirement یہ ہو گی کہ کسی کے پاس یقین قلبی والا ایمان ہے یا نہیں۔ اگر ایمان تھوڑا ہو گا تو پھر اعمال کا وزن کیا جائے گا اور ان کی بنیاد پر کامیابی و ناکامی کا فیصلہ ہو گا۔ لیکن کسی کے پاس ایمان ہی نہ ہوا تو اعمال کے تلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا۔

اس حوالے سے دینی فرائض کی ادائیگی کے لئے ایمان کی حیثیت جڑ اور بنیاد کی سی ہے۔ اگر دینی فرائض یعنی عبادتِ رب' شہادت علی الناس اور اقامت دین کو تین منزلہ عمارت سے تشبیہہ دی جائے تو جیسے ایک عمارت کی پختگی میں "بنیاد" اہم ترین کردار ادا کرتی ہے اور جتنی بلند عمارت تعمیر کرنا ہو اسی تناسب سے بنیاد بھی اتنی ہی گہری رکھنی ہوتی ہے' بعینہٖ ان تینوں فرائض کی ادائیگی کے لئے سب سے پہلے ایمانِ حقیقی کی گہرائی کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر ان فرائض کی ادائیگی ممکن نہیں۔ ورنہ یہی ہو گا کہ جیسے ہمارے ہاں زبان سے عشقِ رسولؐ کا دعویٰ تو ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا اتباع نہیں' اسی طرح زبان سے ہم کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے' لیکن قرآن کی حرام کردہ چیزوں میں ملوث ہیں۔ اگر کوئی اللہ کے احکام نہیں مانتا تو ایمان کہاں ہوا؟ البتہ ایسا شخص کلمہ شہادت کے اقرار کی

وجہ سے دُنیا میں مسلمان مانا جائے گا۔ اس لحاظ سے ایک شرابی' زانی' ڈاکو شخص بھی مسلمان ۲۱
ہو سکتا ہے' وہ جب مرے گا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی' لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ بدقسمتی سے اس دور میں ہم پر جو دینی اعتبار سے زوال آیا ہے اس کا ایک سبب یہی ہے کہ ہم نے قانونی مسلمان اور حقیقی مؤمن کو ایک شے سمجھ لیا ہے کہ جب مسلمان ہیں تو مؤمن ہیں ہی۔ ماضی میں احیائے اسلام کی خاطر اٹھنے والی بڑی بڑی تحریکیں اسی مغالطے کی بنیاد پر ناکامی سے ہمکنار ہوئیں۔ ان کی ناکامی کا سبب یہی تھا کہ کارکنوں کے دلوں میں حقیقی ایمان ابھی راسخ نہیں ہوا تھا۔ چونکہ بنیاد کمزور تھی' جڑ مضبوط نہیں تھی' لہٰذا وہ تحریکیں کس طرح کامیاب ہوتیں؟

اب یہ ایمان حاصل کیسے ہوگا؟ یہ ایمان قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ بقول ظفر علی خان مرحوم ؎

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ہمارے سامنے یہ میدان کھلا ہے کہ ہم قرآن سمجھیں' قرآن پڑھیں' عربی سیکھیں اور قرآن کو حرزِ جان بنائیں۔ تبھی وہ ایمان حاصل ہو سکتا ہے جو مطلوب ہے اور جس کی بنیاد پر آخرت میں نجات ممکن ہوگی۔

(۲) جہاد فی سبیل اللہ

فرائض دینی کی ادائیگی کے لئے دوسرا لازمہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اسے یوں سمجھئے کہ جیسے کسی تین منزلہ عمارت پر چڑھنے کے لئے محنت کرنا ہوتی ہے' سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ دین کے لئے اسی محنت و مشقت کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ بدقسمتی سے اس اصطلاح کا مفہوم ہمارے ذہنوں میں خلط ملط ہو چکا ہے۔ ہم نے جہاد کے معنی جنگ یا قتال کر دیئے ہیں۔ چونکہ قتال تو ہر وقت نہیں ہوتا' لہٰذا جہاد کو قتال کا ہم معنی سمجھنے کا نقصان یہ ہوا کہ جہاد کو بھی فرض کفایہ سمجھ لیا گیا' حالانکہ جہاد فرضِ عین ہے جبکہ قتال فرضِ کفایہ ہے۔ جہاد' جہد سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں کوشش کرنا۔ جبکہ قتال کا مطلب ہے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش کرنا۔ جہاد تو قدم قدم پر ہوتا ہے' ہمیں بار بار اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا پڑتا ہے۔ جب آپ دین پر چلتے ہیں تو معاشرہ رکاوٹ بنتا ہے۔ معاشرہ سے جو کشاکش چلتی ہے یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ البتہ جہاد فی سبیل اللہ میں جب باطل نظام سے ٹکرانے کا مرحلہ آتا ہے تو اس مرحلے کو قرآن نے قتال فی سبیل اللہ کا نام دیا ہے۔ گویا جہاد کی بلند ترین

منزل قتال فی سبیل اللہ ہے لیکن جہاد کو قتال کے مترادف کے طور پر استعمال کرنا ایک سنگین غلطی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاد کی اصطلاح پوری دُنیا میں بدنام ہوئی اور جہاد ہمارے دین کے تصورات سے خارج ہو چکا ہے۔

سورۃ الحجرات کی اگلی آیت میں ایمانِ حقیقی کی تعریف یوں کی گئی :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

"مؤمن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر (اور یہ ایمان ان کے دل کا یقین بن گیا) پھر اس میں انہیں کوئی شک نہیں رہا۔ اور انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ صرف یہ لوگ (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔"

گویا کہ جہاد نہیں تو ایمان نہیں۔ چنانچہ ایمان اور جہاد ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔

(۳) التزامِ جماعت

تیسری شرطِ لازم جماعت کا التزام ہے۔ کیونکہ جہاد نہیں ہو سکتا جب تک کہ جماعت نہ ہو۔ اکیلا آدمی باطل کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ باطل نظام سے ٹکر لینے کے لئے ایک طاقتور' مضبوط اور منظم جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس جماعت کی صفات کیا ہوں؟ وہ جماعت کیسے قائم ہو؟

جماعت کے التزام کا جو اہتمام ہمارے دین میں ہے اس کا ہلکا سا تصور اس سے قائم کریں کہ نماز جیسی اہم عبادت کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے' حالانکہ عبادت بڑا انفرادی سا فعل ہے۔ اللہ کے ساتھ لو لگانے کیلئے تنہائی درکار ہوتی ہے۔ کسی وقت بندے کا جی چاہتا ہے کہ طویل سجدہ کرے' جبکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کو امام کے ساتھ اپنی نماز مکمل کرنا ہے۔ رمضان کے روزے میں بھی ایک اجتماعیت ہے کہ سب مسلمان ایک ساتھ روزے رکھتے ہیں۔ حج کی اجتماعیت تو ساری دُنیا پر مبرہن ہے۔ اس سے دینِ اسلام میں جماعت کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں عبادات کیلئے بھی جماعت کا اہتمام ہے۔ عام حالات میں بھی اسلام جماعتی زندگی پر زور دیتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تم میں سے تین آدمی سفر پر نکلیں تو ان پر لازم ہے کہ ایک کو امیر بنائیں"۔ گویا امیر کے تعین

کے بغیر جو سفر کیا جائے گا وہ غیر مسنون ہو گا۔ امیر کو مشورہ تو دیا جا سکتا ہے' لیکن فیصلہ اس کا ہو گا۔ اور جب تک وہ شریعت کے دائرے میں رہ کر کوئی حکم دیتا ہے' آپ کو اس کی اطاعت کرنا ہو گی۔ اگر اس فرمانِ نبویؐ پر عمل نہیں ہو گا تو یہ ہمارے مشاہدے میں ہے کہ سفر کے دوران لوگ چھوٹے چھوٹے معاملات پر جھگڑتے ہیں۔ اگر امیر ہو گا تو غالب امکان ہے کہ ایسی صورت پیش نہیں آئے گی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ہمارے دین کا یہ مزاج ہے کہ یہاں عبادات ہی نہیں معاملات میں بھی اجتماعیت اختیار کرنے کی تاکید ہے۔

قرآن میں سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ میں تقویٰ کے تاکیدی حکم کے بعد اگلی آیت میں اجتماعیت کی تلقین کی گئی ہے۔ فرمایا :

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا.... ﴾

"اے ایمان والو' اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے' اور دیکھنا تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر فرماں برداری کی حالت میں۔ اور سب مل جل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں مبتلا نہ ہو . . ."

دیکھئے یہاں اجتماعیت پر کس قدر زور دیا گیا ہے۔ سورۂ آل عمران ہی کی آیت نمبر ۱۰۵ میں فرمان خداوندی ہے :

﴿ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ○ ﴾

"دیکھو' ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ کیا (فرقوں میں بٹ گئے) اور اختلافات میں مبتلا ہو گئے' اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح تعلیمات آ چکی تھیں۔ اور (جو لوگ تفرقہ میں پڑیں گے) ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے"۔

سورۃ الانفال جو کہ غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوئی' اُس میں یہ اہم اصولی ہدایت دی گئی کہ :

﴿ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا ﴾ (آیت ۴۶)

"اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور آپس میں جھگڑو مت' ورنہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی . . ."

یعنی اگر تم نے اپنی اجتماعیت میں کمزوری دکھائی تو تمہارے دشمن پر سے تمہارا رعب اور دبدبہ

ختم ہو جائے گا۔ اس کا مشاہدہ غزوۂ اُحد میں کروا دیا گیا' جب پچاس تیر اندازوں پر جو کمانڈر حضور ﷺ نے مقرر کئے تھے' ان کا کہنا نہیں مانا گیا تو فتح شکست میں بدل گئی۔ چنانچہ سورۂ آل عمران آیت ۱۵۲ میں کم و بیش یہی الفاظ دہرائے گئے ہیں :

﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ ﴾

"اللہ نے تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا (اللہ کی مدد آ گئی تھی اور تمہیں فتح مل گئی تھی) جب تم انہیں کاٹ رہے تھے اللہ کے حکم سے' یہاں تک کہ جب تم ڈھیلے ہوئے (یعنی تم نے اپنے ڈسپلن کو ڈھیلا کیا) اور تم نے آپس میں جھگڑا کیا (اپنے امیر کی بات نہیں مانی) اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تمہیں وہ چیز نظر آ گئی جو تمہیں پسند ہے (یعنی فتح)"۔

گویا صرف ڈسپلن کی خلاف ورزی پر غزوۂ احد میں اللہ کی آئی ہوئی مدد واپس چلی گئی اور چند مسلمانوں کی اس کوتاہی پر مسلمانوں کو یہ سزا ملی کہ فتح شکست میں بدل گئی اور ستر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ یہ سب اجتماعیت میں کمزوری دکھانے کے بعد ہوا۔

سورۃ التغابن میں ان سب باتوں کا لب لباب یوں بیان کر دیا گیا :

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا ... ﴾ (آیت ۱۶)

"حتی الامکان اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (دیکھو' حکم) سنو اور مانو۔"

یہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کرو کے الفاظ نہیں آئے' بلکہ ایک عمومی بات کی گئی ہے کہ سنو اور اطاعت کرو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اطاعت کا ایک چینل اور کڑیاں ہیں۔ جماعت میں ایک مرکزی امیر ہوتا ہے۔ پھر اس کے نیچے ذیلی امراء ہوں گے۔ اگر کہیں کوئی مہم بھیجی جائے گی تو اس کا ایک الگ امیر یا کمانڈر ہو گا۔ لہٰذا اطاعت کا یہ معاملہ سلسلہ بہ سلسلہ چلتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا : "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی"۔ مزید فرمایا : "جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔

اب آیئے التزام جماعت کے واضح حکم کی طرف جو ایک حدیث میں موجود ہے جسے مسند احمد بن حنبل اور جامع ترمذی میں نقل کیا گیا ہے۔ حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ [اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ] بِالْجَمَاعَةِ ' وَالسَّمْعِ ' وَالطَّاعَةِ ' وَالْھِجْرَةِ ' وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ))

"(مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں۔ (ایک روایت میں یہ اضافی الفاظ بھی ہیں کہ اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے) (۱) جماعت کا' (۲) سننے اور (۳) ماننے کا' اور (۴) ہجرت اور (۵) جہاد فی سبیل اللہ کا"۔

یعنی جماعت کے بغیر نہ رہو۔ امیر کا حکم سنو' اور اس کی اطاعت کرو۔ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ حدیث ہمارے ذہنوں سے غائب ہو چکی ہے۔ اس حدیث کا تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۲ء میں اپنے جریدے الہلال میں کیا' لیکن اس کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ پھر ۱۹۴۶ء میں مولانا مودودیؒ نے "شہادتِ حق" کے موضوع پر اپنی تقریر میں یہ حدیث بیان کی' مگر حوالہ وہاں بھی نہیں دیا گیا۔ جب میں ۶۷۔۱۹۶۶ء میں مستقل طور پر لاہور منتقل ہوا تو میں نے یہاں کے ایک بڑے عالم دین سے اس حدیث کا حوالہ مانگا تو فرمانے لگے کہ الفاظ نامانوس سے ہیں' یاد نہیں پڑتا کہ کبھی نگاہ سے گزرے ہوں۔ حالانکہ یہ حدیث مشکوٰۃ میں موجود ہے اور مشکوٰۃ کو ہمارے ہاں دینی مدرسوں میں تعلیم حدیث کے بنیادی قاعدہ کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن یہ حدیث علماء کی نظروں سے بالعموم محو ہے۔ اس حدیث کے بالمقابل ایک اور حدیث بہت معروف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا :

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ : شَھَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ' وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ' وَحَجِّ الْبَیْتِ ' وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (متفق علیہ)

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے : (۱) کلمہ شہادت' (۲) نماز قائم کرنا' (۳) زکوٰۃ کی ادائیگی (۴) بیت اللہ کا حج' اور (۵) رمضان کے روزے"۔

یہ بھی حدیثِ رسول ﷺ ہے اور وہ بھی حدیثِ رسول ﷺ ہے۔ مؤخر الذکر حدیثِ رسول ﷺ ہر مسلمان کے علم میں ہے۔ ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں' لیکن دوسری حدیث کی طرف بڑے بڑے علماء کا دھیان بھی نہیں ہے۔ حالانکہ حضور

ﷺ نے التزامِ جماعت والی حدیث میں پانچ چیزوں پر عمل کا حکم انتہائی تاکید کے ساتھ دیا ہے' جبکہ ارکانِ اسلام والی حدیث میں پانچ بنیادی باتوں کا ذکر جملہ خبریہ کے طور پر مذکور ہے' اور اس میں کسی حکم کی بات نہیں آئی ہے۔ پھر ایک حدیث ذہنوں میں اتنی تازہ اور دوسری اجنبی اور نامانوس کیوں ہے؟ اس ذہول کی وجہ یہ ہے حضور ﷺ نے اول الذکر حدیث میں جن پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے ان کا تعلق اقامتِ دین سے ہے۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اقامت دین کا کام ہی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں اور پھر بعد میں جب تک خلافتِ راشدہ موجود رہی' دین اور ریاست یکجا تھے۔ مسلمانوں کے دینی قائد اور سیاسی رہنما کون تھے! یہی ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ معاملہ نہیں تھا کہ اہلِ سیاست اور ہوں جبکہ اہلِ علم و رجالِ دین کوئی اور۔ خلافتِ راشدہ کے بعد یہ ہوا کہ دین و دُنیا کی تقسیم ہو گئی۔ یعنی ریاست و سیاست کے معاملات کو دین سے جدا کر دیا گیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ رجال دین بھی دو حصّوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک کو کہا گیا کہ یہ علمائے ظاہر ہیں۔ دوسرے طبقے کو علمائے باطن کہا گیا۔ یوں سیاست و حکومت کی قیادت تو الگ ہوئی ہی تھی خود دین میں بھی روحانی قیادت صوفیاء کے پاس آ گئی اور علمی قیادت علماء تک محدود ہو گئی۔ اس طرح مسلمانوں کی قیادت کا معاملہ تثلیث میں بدل گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دینی تصورات سکڑتے چلے گئے۔ تاہم جب تک مسلمانوں کی حکومت رہی علماء کی بھی اہمیت رہی۔ کیونکہ نظام جیسا تیسا بھی تھا شریعت پر قائم تھا۔ لہٰذا قاضی' مفتی اور مساجد کے خطیبوں کے لئے علماء ہی کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہمارے ہاں دینی تعلیم کا یہ سارا نظام' جسے ہم درسِ نظامی کہتے ہیں' یہ درحقیقت مسلم حکومتوں کی سول سروس کی تیاری کا کام دیتا تھا۔ پھر جب ہم پر مغربی یلغار ہوئی اور اقتدار غیروں کے ہاتھ میں چلا گیا تو اب اس کی بھی ضرورت نہ رہی۔ اب علماء کے ہاتھ میں صرف نماز' روزے کے مسائل رہ گئے یا مسجد کی امامت رہ گئی۔ چنانچہ اب دینی تصورات صرف انہی مسائل تک محدود ہو گئے۔ دین کا بطورِ نظام ایک جامع تصور عوام و خواص سب کی نظروں سے غائب ہوتا چلا گیا اور آخر کار ہماری دینی قیادت کا معاملہ وہ ہوا جسے اقبال نے کہا تھا ؎

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے\
اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام!

مختصراً یہ کہ ہوتے ہوتے دین کا تصور ان چیزوں تک محدود ہو گیا جو کفر کے نظام میں بھی چلتی رہیں' مثلاً انگریز نے نماز سے نہیں روکا' روزہ رکھنے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ آج بھی

امریکہ میں ان چیزوں سے کوئی نہیں روکتا۔ دین کا مذہب والا حصہ غیر مسلموں کی حکومتوں میں ماضی میں بھی چلتا رہا' آج بھی قابل عمل ہے۔ لیکن دین کا غلبہ' اور دین کو پورے نظامِ زندگی کی حیثیت سے قائم کرنے کی جدوجہد آج ہمارے ذہنوں سے خارج ہو گئی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے : Out of sight out of mind یعنی جب ایک شے صدیوں تک مشاہدے میں نہیں رہی تو اس کی اہمیت بھی مدنظر نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم وہ حدیثیں پڑھ رہے ہیں' لیکن ان کی طرف توجہ نہیں ہے' لہٰذا آج ان احادیث کے الفاظ نامانوس محسوس ہوتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو چیز نظروں کے سامنے نہ رہے ذہن میں بھی نہیں رہتی۔ اور اگر ذہن میں موجود نہ ہو تو نگاہ کے سامنے آنے پر بھی اس طرف توجہ نہیں ہو پاتی' کیونکہ ذہن میں اس کے لئے کوئی خانہ موجود ہی نہیں ہوتا۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا تھا ؎

صوم ہے ایمان سے' رخصت صوم گم
قوم ہے قرآن سے' غائب قوم گم

اسی شعر کے مصداق مذہب والا حصہ سامنے رہنے کے باعث ارکانِ اسلام سے تو ہم واقف ہیں' لیکن ارکانِ اقامت دین ہمارے تصورات سے خارج ہو چکے ہیں۔ بہرحال حدیث کی رو سے "ارکانِ اقامتِ دین" میں التزامِ جماعت پہلا رکن ہے۔ کئی اور احادیث میں بھی جماعت کے التزام کے بارے میں تاکید آئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا : ((عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَةِ)) "لازم ہے تم پر کہ جماعت کی شکل میں رہو"۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا : ((یَدُاللّٰهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ)) "اللہ کی تائید اور نصرت جماعت کے ساتھ ہے"۔ اس ضمن میں ایک بہت عمدہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ آپؓ نے فرمایا : ((لاَ اِسْلاَمَ اِلاَّ بِالْجَمَاعَةِ وَلاَ جَمَاعَةَ اِلاَّ بِالْاِمَارَةِ وَلاَ اِمَارَةَ اِلاَّ بِالطَّاعَةِ)) "جماعت کے بغیر اسلام ہے ہی نہیں۔ اور جماعت کا کوئی تصور نہیں جب تک اس کا کوئی امیر نہ ہو۔ اور امیر ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کی اطاعت نہ کی جائے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ایک دوسرے قول میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "امیر کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کا حکم سنا نہ جائے' اور سننا بیکار ہے اگر اطاعت نہ ہو"۔

اب زیرِ بحث حدیث کے دو آخری ارکان یعنی جہاد اور ہجرت کی طرف آیئے۔ جہاد اور ہجرت دونوں کی ایک ابتدائی منزل ہے اور دونوں کی ایک انتہا بھی ہے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا "اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ بتایئے سب سے افضل جہاد کونسا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "افضل جہاد یہ ہے کہ اپنے نفس سے جہاد کرو اور اسے اللہ کا مطیع بناؤ۔" جبکہ جہاد کی

بلند ترین منزل قتال فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے دشمنوں سے جنگ کی جائے۔ اسی طرح ہجرت کے بارے میں پوچھا گیا کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ! افضل ترین ہجرت کون سی ہے؟" آپؐ نے فرمایا "چھوڑ دو ہر اُس شے کو جو تمہارے رب کو پسند نہیں ہے"۔ اس ابتدائی منزل میں جہاد اور ہجرت کا مقصد ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت کا خوگر بننا اور ہر اُس شے کو ترک کر دینا جو اللہ کو ناپسند ہے۔ جہاد اور ہجرت کی چوٹی کی منزلیں بھی ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ جہاد کی چوٹی کی منزل قتال فی سبیل اللہ ہے اور سیرت نبویؐ میں قتال فی سبیل اللہ کے مرحلے میں ہجرت فرض کر دی گئی تھی۔ کیونکہ اس مرحلے میں اقامت دین کے لئے باطل کے خلاف جنگ کرنا ہوتی ہے' لہٰذا تمام اہل ایمان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ایک مرکز پر آ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ کے مسلمانوں پر مدینہ کی طرف ہجرت فرض کر دی گئی تھی۔ اگر مسلمان منتشر رہتے تو قریش جیسی بڑی طاقت سے قتال کرنا اور انہیں شکست دینا آسان نہ ہوتا۔ بہرحال جہاد و قتال اور ہجرت کی یہ منازل طے کرنا جماعت کے بغیر ممکن نہیں۔

جماعت سازی کی مسنون بنیاد : بیعت

اب ایک اہم سوال یہ ہے کہ یہ جماعت کس بنیاد پر قائم ہو۔ ہم آج جماعت بنانے کی جس بنیاد سے واقف ہیں وہ یہ ہے کہ دستور مرتب کیا جاتا ہے کہ ہمارے یہ مقاصد ہیں' یہ ہمارے قواعد و ضوابط ہیں۔ اس دستور میں طے ہوتا ہے کہ جماعت کی رکنیت کا طریقہ کار کیا ہو گا' جماعت اور شوریٰ کیسے منتخب ہوں گے' امیر اور شوریٰ کے اختیارات کی حدود کیا ہوں گی وغیرہ۔ جماعت سازی کا یہ سارا فلسفہ مغرب سے آیا ہے۔ یہ طریقہ اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں پہلے کہیں نہیں ملتا۔ چونکہ مسلمانوں پر چودھویں صدی ہجری کا ایک بڑا حصہ مغربی اِمپیریلزم کے زیر اثر گزرا ہے' اس لئے اس صدی میں ہمارے ہاں بھی جماعت سازی کا یہ تصور در آیا ہے۔ اسلام میں جماعت سازی کی جو منصوص' مسنون اور ماثور بنیاد ملتی ہے وہ "بیعت" ہے۔ بیعتِ شخصی کی بنیاد پر ہی ماضی میں اُمّتِ مسلمہ ایک جماعت کی شکل میں بندھی رہی ہے۔ اور اس بنیاد پر تمام تحریکیں اٹھی ہیں۔ اس کے مطابق جماعت سازی کا طریقہ یہ ہو گا کہ دینی تحریک اٹھانے والا کوئی شخص اللہ کے راستے میں خود کو پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں دین کے تقاضے پر یہ کام کرنے نکلا ہوں' کون ہے اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دینے والا ﴿مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ﴾ جو لوگ اس کے ساتھ آ کر جڑیں گے وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کہ ہم آپ کے ساتھی ہیں۔ آپ کو ہم مشورہ دیں گے' لیکن فیصلہ آپ کے

ہاتھ میں ہو گا۔ آپ شریعت کے اندر جو حکم دیں گے ہم مانیں گے۔ بس جماعت بن گئی' کسی لمبے چوڑے دستوری خاکے کی ضرورت ہی نہیں۔ بیعت کا ذکر تو قرآن میں بھی موجود ہے۔ سورۃ الفتح میں دو آیتیں موجود ہیں۔ سورۂ ممتحنہ میں خواتین کی بیعت کا ذکر ہے۔ سیرت میں دیکھئے بیعت عقبہ اولیٰ' بیعت عقبہ ثانیہ اور بیعت رضوان کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر بیعت کا ذکر ملتا ہے۔ اگرچہ دستور کی بنیاد پر جماعت سازی حرام نہیں ہے' میرے نزدیک وہ مباحات میں داخل ہے' اس کی بنیاد پر بھی اگر کوئی جماعت بنالی جائے تو تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن سرے سے جماعت ہی نہ ہو' ہر شخص انفرادی زندگی بسر کر رہا ہو' یہ درست نہیں ہے۔ افسوسناک صورت یہ ہے کہ ہمارا یہ قومی مزاج بن گیا ہے کہ کوئی کسی کی بات سننے اور ماننے کو تیار نہیں۔ ہر شخص اپنی جگہ پر' اپنے گھمنڈ میں مبتلا ہے کہ بس میری رائے اور میرا خیال برتر ہے' میں اسی کے مطابق چلوں گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت اُمّتِ مسلمہ منتشر ہے۔ کوئی ایک امام نہیں۔ پچاس ساٹھ مسلمان ممالک ہیں' لیکن کوئی مرکزیت نہیں۔ اسی بناء پر آج جس اسلام دشمن طاقت کا جی چاہتا ہے وہ کسی مسلمان ملک کو مشق ستم بنالیتا ہے' کوئی دوسرا مسلمان ملک اس کی مدد کیلئے پہنچتا ہے نہ اس کے حق میں آواز بلند کرتا ہے۔ ان سب مسائل کا حل یہی ہے ایک جماعت بنا کر اقامتِ دین کی جدوجہد کی جائے' جس کا آخری ہدف اُمّتِ مسلمہ کو ایک اجتماعیت میں پرونا بالفاظِ دیگر عالمی نظام خلافت کا قیام ہو۔ خود علامہ اقبال نے اپنی آخری زندگی میں اس بات کی کوشش فرمائی تھی کہ ایک جماعت قائم کی جائے' لیکن بدقسمتی سے علامہ اقبال کی زندگی کے آخری دنوں کا یہ رخ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رہا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ جو میرے نزدیک چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعظم ہیں' انہوں نے کہا تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کرکے اس کام کا آغاز کیا جائے' لیکن لوگوں نے ان کی بات نہیں مانی۔ تاہم حیرت ہوتی ہے کہ ہم نے اس اہم واقعہ کو بھی کتابوں سے نکال دیا گیا۔ اسی طرح زندگی کے آخری دور میں (۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۶ء تک) علامہ اقبال کی جو سوچ رہی ہے' اور وہ جس کام کیلئے تگ و دو اور غور و فکر کرتے رہے' وہ یہ تھا کہ بیعت کی بنیاد پر ایک جماعت بنائی جائے۔ بدقسمتی سے اس جدوجہد کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اگرچہ علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے ساتھ کام کیا ہے' لیکن وہ جانتے تھے کہ محض ایک قومی جماعت کی بنیاد پر ایک اسلامی ریاست وجود میں نہیں آ سکتی۔ قومی جماعت کی بنیاد پر ایک قومی ریاست ہی وجود میں آئے گی۔ اسلامی ریاست کیلئے تو اسلامی جماعت بنانا پڑے گی اور اس اسلامی جماعت میں وہی شخص شامل ہو گا جو اسلامی احکامات پر خود

۹۱ بھی عمل پیرا ہو۔ جبکہ قومی تحریک میں تو بے عمل مسلمان بھی' خواہ وہ زانی یا شرابی ہو' شامل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مسلم لیگ کا یہی نعرہ تھا کہ مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ۔ لہٰذا ایک قومی تحریک کے نتیجے میں ایک قومی ریاست وجود میں آ گئی' لیکن باون برس گزرنے کے بعد بھی پاکستان اسلامی ریاست نہیں بن سکا ہے۔ تاہم علامہ اقبال کی کوششوں سے ۱۹۳۶ء میں جمعیت شبان المسلمین کے نام سے ایک اسلامی جماعت کے قیام کا نقشہ مکمل ہو گیا تھا اور علامہ اقبال ہی سے بیعت ہونا تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چوہدری محمد حسین نامی ایک شخص' جو انگریزوں نے ان کے سر پر مسلط کیا تھا' اس کی وجہ سے یہ ساری سکیم ناکام ہو گئی۔

بیعت کی تاکید میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایک حدیث مروی ہے :

((مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً))

"جو مسلمان مرا اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں تھا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے"۔

التزامِ جماعت کی اس قدر اہمیت کی کیا وجہ ہے؟ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر اسلام کا سیاسی اور ریاستی نظام قائم ہو تو جو خلیفۂ وقت ہے اس کے ہاتھ پر بیعت ہو گی۔ اگر اسلامی حکومت موجود نہیں تو یہ نظام خود بخود تو وجود میں نہیں آ جائے گا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی محنتوں اور قربانی ہی سے یہ نظام اُس وقت قائم ہوا تھا' اب بھی اس کام کے لئے محنت اور قربانی درکار ہو گی۔ چنانچہ آج وقت کا اہم ترین اور سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ جو جماعت نظامِ خلافت کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہی ہو اس میں شامل ہوا جائے۔ اگر اس جماعت میں دستوری طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے تو بھی درست' اور اگر وہ جماعت بیعت کی بنیاد پر قائم کی گئی ہو تو اس کے امیر کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک نہایت مؤثر اور جامع خطاب

مثیلِ عیسیٰؑ --- علیؓ مرتضیٰ رضؓ

شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن

ملکِ عزیز کے استحکام کی خاطر اربابِ اقتدار کو چند مشورے

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی مجلس شوریٰ کے اجلاس کا پریس ریلیز

لاہور '۱۲ دسمبر ۱۹۹۹ء = ملک کی چار دینی جماعتوں تحریک اسلامی ' تنظیم اسلامی ' تنظیم الاخوان اور مرکزی جمعیت اہل حدیث پر مشتمل متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں دیگر امور کے علاوہ موجودہ ملکی حالات پر غور و فکر اور تبادلۂ خیال ہوا۔ متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی جانب سے جاری کردہ متفقہ نکات پر مشتمل قرارداد میں کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ فوج نے بالکل غیر متوقع ہنگامی صورتحال میں ملک کا کنٹرول سنبھالا تھا ' البتہ چونکہ اس اقدام کے جواز یا عدم جواز کا معاملہ عدالت میں زیر سماعت ہے اس لئے اس پر مزید کوئی تبصرہ مناسب نہ ہو گا۔ تاہم ملک کے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے پاکستان کے عوام سے اپنے پہلے خطاب میں جو سات نکاتی ایجنڈا پیش کیا تھا اور جس کی تائید ملک کے اکثر و بیشتر حلقوں کی جانب سے کی گئی تھی اس پر عمل درآمد کا معاملہ قابل تشویش حد تک سست اور نتائج کے اعتبار سے ناقابل اطمینان ہے۔ مزید برآں حکومت نے اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں جو اضافہ کیا ہے محاذ اس پر شدید اظہار افسوس کرتا ہے۔ یہ حکومت کے اس دعوے کی عملی تردید ہے کہ وہ غریبوں کی خیر خواہ ہے اور عوام پر ظلم کا خاتمہ چاہتی ہے۔

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے اجلاس شوریٰ میں اس بات پر بھی تشویش کا اظہار کیا گیا ہے کہ موجودہ حکومت اجتماعی معاملات میں دین و مذہب کے عمل دخل سے غیر ضروری حد تک اغماض برتنے کی مرتکب ہو رہی ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں مندرج متفقہ اسلامی آئینی دفعات کو نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ یہ طرز عمل انتہائی ناقابل اطمینان ہے۔ چنانچہ اجلاس اس بات کا پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ آئین میں مندرج تمام اسلامی دفعات کے مؤثر ہونے کا فی الفور اعلان کیا جائے۔ خصوصاً قادیانیت کے حوالے سے آئین کی تمام دفعات پر عمل درآمد کیا جانا چاہیے۔

اجلاس ملک کے مقتدر طبقات کو اس جانب توجہ دلانا ضروری خیال کرتا ہے کہ ملک عزیز پاکستان کا ایک خصوصی پس منظر ہے۔ یہ ملک اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا۔ لہٰذا جب تک ملک میں اجتماعی سطح پر اسلام کا نفاذ نہیں ہو گا ' استحکام نہیں آئے گا۔ اسلام کے اجتماعی سطح پر نفاذ کے ضمن میں مندرجہ ذیل اقدام ناگزیر ہیں :

i) جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ۔

ii) سود اور جوئے کا فوری خاتمہ۔ اس کی موجودگی میں ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں جس سے نکلنا ازبس ضروری ہے۔

iii) قوانین شریعت کے نفاذ کیلئے ضروری ہو گا کہ وفاقی شرعی عدالت کے حدودِ کار پر عائد جملہ پابندیاں ختم کر دی جائیں۔

ان اقدامات کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال ہو گی۔

افغانستان کی طالبان حکومت کے ساتھ بھی مکمل یکجہتی کا اظہار کیا جائے اور اسکے خلاف کسی امریکی سازش کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔ افغانستان سے ملحقہ سرحد کھولنے کے علاوہ انکے منجمد فنڈز کو واگزار کیا جائے اور موجودہ مشکل حالات میں انکی بھرپور معاونت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ انداز میں پاکستان کو ایک ایٹمی قوت بنایا ہے۔ ہمیں اس قوت کی مکمل حفاظت کرنا ہے۔ لہٰذا کسی بھی صورت میں سی ٹی بی ٹی پر دستخط نہ کیے جائیں۔

فرد کا عروج و زوال

مطالباتِ دین کے آئینے میں

محمد رشید عمر

۱) انسانی زندگی میں کون سے مواقع آتے ہیں جب وہ گناہوں سے بالکل پاک اور صاف ہو جاتا ہے؟

۲) اللہ کی نظر میں انسانی اعمال کے عروج و زوال کی ترتیب کیا ہے؟

۳) بندۂ مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ نے کون سے مراتب رکھے ہیں جن کو وہ بتدریج ترقی کرتے ہوئے حاصل کر سکتا ہے؟

۴) اجر و ثواب کا تعلق (مقدار کے حساب سے) کس بات سے ہے؟

۵) کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ نیک اعمال کا اجر و ثواب مل رہا ہے؟

٦) اللہ کی رحمت ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے' اس کا مطلب کیا ہے؟

یہ چند سوالات ہیں جو دین پر عمل پیرا ہر انسان کے ذہن میں آتے ہیں۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ وہ اللہ کے حضور کیا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ کئی حضرات اللہ کے ہاں مقبولیت اور اجر و ثواب کے سبز باغ بنا لیتے ہیں۔ کئی حضرات بہت کچھ کر کے بھی سمجھتے ہیں کہ کچھ نہیں کیا۔ اگرچہ اصل فیصلہ انسان کی خلوص نیت پر ہے' اور ریا کاری و خود نمائی کی ذرا سی خواہش بھی سب کئے کرائے پر پانی پھیر سکتی ہے' لیکن پھر بھی ذہنی الجھن کو دور کرنے کے لئے ایک چارٹ کی مدد سے ان سوالوں کے جواب واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے بہت سے حجابات دور ہو جائیں گے اور انسان بہتر طور پر محاسبہ کر کے اپنے مقام کا تعین کر سکے گا کہ وہ اعمال کے اعتبار سے کس مقام پر کھڑا ہے۔

تین مواقع ایسے ہیں جب انسان کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

ا) جب انسان کفر سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

ب) جب انسان اللہ اور اس کے رسول کی خاطر گھربار چھوڑ کر ہجرت کرتا ہے۔
ج) حج مبرور کے بعد انسان گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے آج ہی ماں نے اس کو جنا ہو۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' مَیں نے کہا : اے اللہ کے رسول ؐ! اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایئے تا کہ میں بیعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھایا' میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا "اے عمرو! کیا معاملہ ہے"۔ میں نے کہا : میں ایک شرط طے کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا : "تو کیا شرط طے کرنا چاہتا ہے؟" میں نے کہا : شرط یہ ہے کہ مجھ کو بخش دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((اَمَا عَلِمْتَ یَا عَمْرو اَنَّ الْاِسْلَامَ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ ' وَاَنَّ الْھِجْرَةَ تَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَھَا ' وَاَنَّ الْحَجَّ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ)) (رواہ مسلم)

"اے عمرو! کیا تجھے علم نہیں کہ اسلام ان گناہوں کو دور کر دیتا ہے جو اُس سے پہلے ہوتے ہیں' اور ہجرت ان گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو اُس سے پہلے ہوتے ہیں' اور حج ان گناہوں کو دور کر دیتا ہے جو اُس سے پہلے ہوتے ہیں۔"

مندرجہ بالا مواقع پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ گناہ سے نیکی کے اعتبار سے انسان زیرو لیول پر آ جاتا ہے۔ اس کے آگے مطالباتِ دین ہیں جن پر اس کو عمل پیرا ہونا ہے۔ اللہ کی نظر میں عروج و زوال کا دارومدار ان مطالبات کے جواب میں انسان کے طرزِ عمل پر منحصر ہے۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عروج کے اعمال کی ترتیب اس طرح ہے کہ ایمان لانے کے بعد حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اس پر فرض ہو جاتی ہے۔ اس میں عبادات کا پروگرام اور اس کے ساتھ والدین' اقرباء' محتاجوں اور مساکین کے حقوق ہیں۔ پھر اس کے سامنے معاشرے کو خراب کرنے والے نظریات وافکار کی تطہیر کا کام ہے' دعوت و تبلیغ کا میدان ہے۔ بھلائی کا حکم دینے اور برائی کے خاتمے کا کام ہے۔ اس سے اوپر کی منزل ظلم کا خاتمہ کر کے عدل وانصاف کا بالفعل قیام ہے۔ اس کے لئے تربیت' تنظیم اور جہادِ مسلسل کی ضرورت ہے۔ اگر تو انسان نے ہر مطالبہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو اللہ کے منعم علیہ بندوں میں اس کا شمار ہو گا' جن کے مراتب اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں بیان فرمائے ہیں :

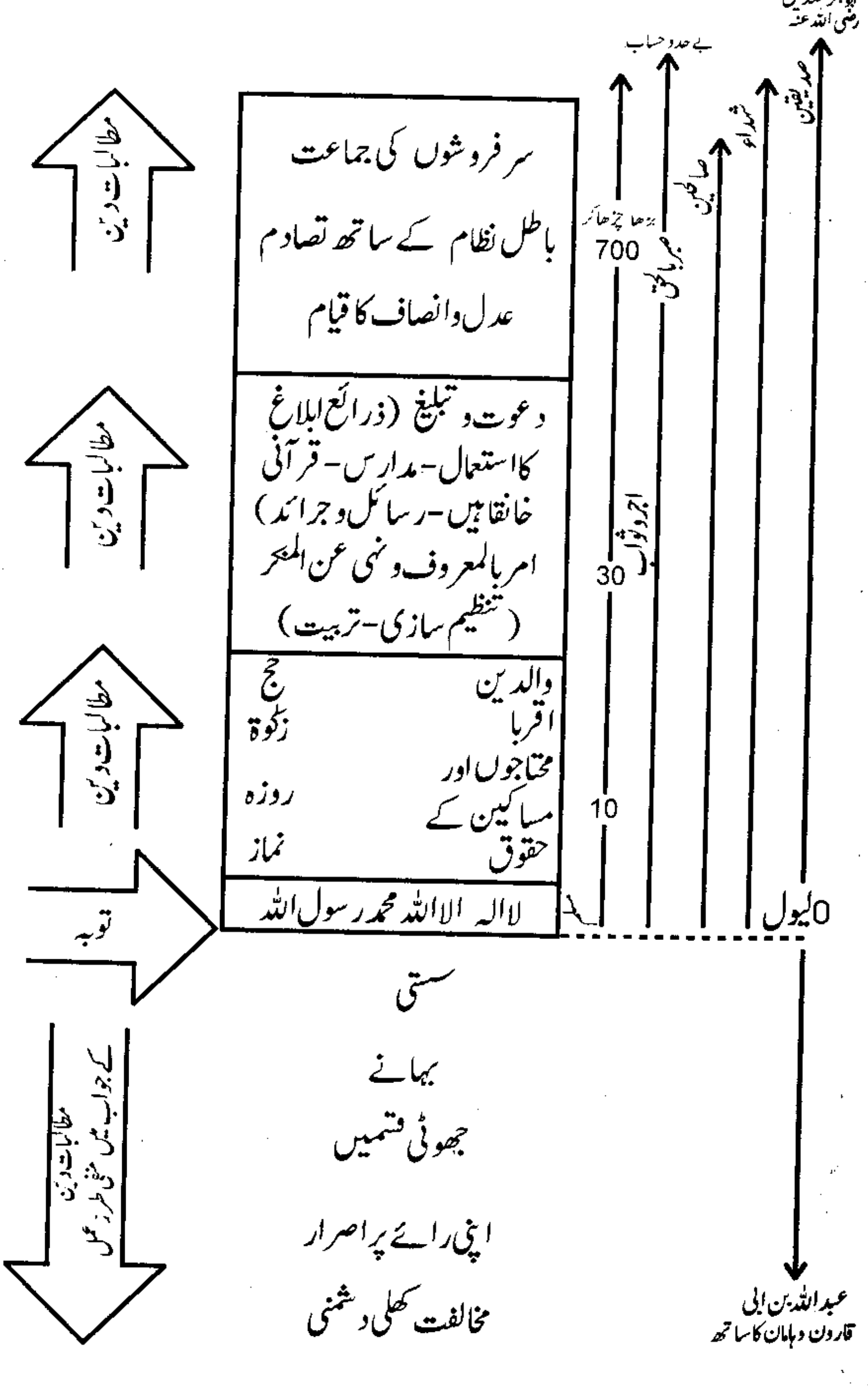
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
بے حد و حساب
صدیقین
شہداء
صالحین
صبر والے
بڑھا چڑھا کر
700
اجر و ثواب
30
10
0لیول
سرفروشوں کی جماعت
باطل نظام کے ساتھ تصادم
عدل وانصاف کا قیام
دعوت و تبلیغ (ذرائع ابلاغ کا استعمال - مدارس - قرآنی خانقاہیں - رسائل و جرائد)
امر بالمعروف و نہی عن المنکر
(تنظیم سازی - تربیت)
والدین
اقربا
محتاجوں اور مساکین کے حقوق
حج
زکوۃ
روزہ
نماز
لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ
مطالبات دین
مطالبات دین
مطالبات دین
توبہ
سستی
بہانے
جھوٹی قسمیں
اپنی رائے پر اصرار
مخالفت کھلی دشمنی
مطالبات دین کے جواب میں منفی طرز عمل
عبد اللہ بن ابی
قارون وہامان کا ساتھ

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝﴾ (النساء : ٦٩)

"اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہا مان لے گا' تو ایسے اشخاص ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے' یعنی انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین' اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔"

انبیاء کا درجہ حاصل کرنا تو ممکن نہیں ہے' البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کی معیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی طرح جو حضرات سابقون الاولون میں صدیقین' شہداء اور صالحین کے مراتب پر فائز ہو چکے ہیں' وہ درجات تو اب نہیں مل سکتے' لیکن ان کے گروہ میں شمار ہونے کے دروازے قیامت تک کے لئے کھلے ہیں۔ تو زیرو لیول سے اوپر مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے زندگی گزاریں تو ان مراتب عالیہ کے دروازے اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کھول دے گا۔ اس کے برعکس اگر ایمان لانے کے بعد مطالبۂ دین ہمارے سامنے آیا' ہم نے سر تسلیم خم کر دینے کی بجائے معاملہ کو التواء میں ڈال دیا' جواب طلبی پر بہانہ کر دیا تو درجات کی ترقی کی بجائے زوال کی طرف سفر شروع ہو جائے گا۔ اگر بروقت متنبہ ہو گئے' توبہ کی اور اہل ایمان کے ساتھ شامل ہو گئے تو خیر' پردہ بھی رہ گیا اور معاملہ آگے کی طرف بھی بڑھ گیا۔ لیکن اگر شیطانیت کا غلبہ زیادہ ہو گیا تو اگلا مرحلہ اپنے بھرم کو قائم رکھنے کے لئے جھوٹی قسموں کا ہو گا' جو انسان کو پہلے سے زیادہ خطرناک صورتِ حال سے دوچار کر دے گا۔ اگر یہاں سے نہ سنبھلے تو اپنی رائے پر اصرار اور آگے بڑھنے والوں کی مخالفت جیسی کیفیات ظاہر ہوں گی۔ رائے کے تسلیم نہ ہونے پر ناراضگی پیدا ہو گی کہ ہماری تو کوئی وقعت ہی نہیں' یہ تو اپنی مرضی کرنے والے لوگ ہیں۔ اس کی آخری شکل اعلانیہ مخالفت کی صورت میں سامنے آئے گی کہ یہ لوگ مخلص نہیں ہیں' ان میں یہ اور یہ خامیاں ہیں' یہ لوگ دوسرے کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ یہ سارا عمل زیرو لیول سے منفی کی طرف' یعنی پستی کی طرف چلتا جائے گا۔ جس طرح زیرو لیول سے اوپر کے اعمال کو اختیار کرنا انسان کو صدیقین' شہداء اور صالحین کے زمرے میں پہنچا دیتا ہے' اسی طرح زیرو لیول سے نیچے کی طرف سفر کی انتہا رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبَی' ہامان اور

قارون کے ساتھ ہوگی۔

خلوص پر مبنی اعمالِ صالحہ کے بدلے اللہ کی طرف سے اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی مقدار کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ قرآن کے ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ ایک فرض نماز باجماعت ادا کرنے کا ثواب ستائیس سے تیس گنا ملتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو اس کی مثال قرآن پاک میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جیسے ایک دانے سے سات بالیاں اگیں اور ہر بالی کے خوشے میں سو دانے ہوں' یعنی ایک کے بدلے سات سو گنا ملتا ہے۔ جس کے لئے اللہ چاہتا ہے مزید بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور صبر کرنے والوں کو بے حد و حساب اجر دیا جاتا ہے۔ اصل میں صبر و ایثار ہی وہ پیمانہ ہے جس پر اجر و ثواب کی مقدار کا تعین ہوتا ہے۔ خیر یا حق پر جس قدر عمل ہو گا اور صبر اور ہمت کا معاملہ جس قدر ہو گا اسی قدر اجر و ثواب زیادہ ملے گا۔ زیرو لیول سے اوپر کے اعمال پر نظر ڈالئے تو واضح ہو جائے گا کہ تیسری منزل وہ منزل ہے جہاں آ کر انسانی ہمت اور استقامت کا امتحان ہو جاتا ہے۔ اس منزل تک صبر و ثبات میں سرخرو ہونے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے لامحدود اجر کا وعدہ فرمایا ہے :

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ (الزمر : ۱۰)

"یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے شمار ہی ملے گا۔"

مطالباتِ دین کے اس پروگرام پر عمل کرنے والے کسی کارکن کے لئے صبر و وفا کی ساری منزلیں پہلے ہی مرحلہ پر بھی پوری ہو سکتی ہیں' جیسے مکّی دور میں صرف کلمہ پڑھنے پر ہی آلِ یاسر رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا گیا۔

یہ اجر و ثواب کسی بینک کی statement نہیں کہ ہر ماہ اس کو معلوم ہو جائے کہ تمہارے اکاؤنٹ میں اتنے لاکھ یا اتنے ملین نیکیاں جمع ہو گئی ہیں۔ اس اجر و ثواب کا پتہ اس صورت میں چلتا ہے جب انسان کو نیکی کے بعد نیکی کی توفیق ملتی ہو' ہر عمل خیر کے بعد دل کو خوشی حاصل ہوتی ہو' اللہ کی راہ میں خرچ کر کے دل میں تنگی نہیں' بلکہ خوشی اور نشاط آ جائے' اللہ کے ساتھ تعلق میں حلاوت اور طراوت آ جائے' خیر کے کاموں میں انسانوں کے اندر ایک تڑپ اور انتظار کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس لحاظ سے جس قدر آمادگی ہو گی اور اعمالِ خیر کی توفیق میسر آ رہی ہو گی اسی قدر اجر و ثواب کی بارش اللہ کی

طرف سے زیادہ ہو رہی ہو گی۔ قرآن پاک نے ایسے اہل ایمان کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے :

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

(الاحزاب : ۲۳)

"ان مؤمنین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا عہد اللہ سے کیا تھا اس میں سچے ثابت ہوئے۔ پھر بعض تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض ان میں مشتاق ہیں' اور انہوں نے (عہد میں) ذرا تغیرو تبدل نہیں کیا۔"

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ ﴾

(الانعام : ۱۲۵)

"پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے..."

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے :

((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ : مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا' وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ' وَمَنْ يَكْرَهُ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ)) (متفق علیہ' عن انس رضی اللہ عنہ)

"تین چیزیں جس میں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت کو پالے گا : جس شخص کو اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) باقی سب سے بڑھ کر محبوب ہو' جو کسی دوسرے شخص کو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر دوست رکھتا ہو۔ اور جو شخص کفر میں لوٹ جانے کو اس طرح برا سمجھے' جبکہ اللہ نے اسے اس سے نکال لیا ہے' جس طرح آگ میں ڈالا جانا برا سمجھتا ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ : اِمَامٌ عَادِلٌ' وَشَابٌّ

نَشَاَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ ' وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ ' وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ..))

(متفق علیہ)

"سات اشخاص وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اُس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن اس کے (عطا کردہ) سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا: عدل کرنے والا امام' وہ جوان آدمی کہ اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں صرف کرے' وہ شخص کہ اس کا دل مسجد کے ساتھ لٹکا رہتا ہے جب اس سے باہر جاتا ہے' یہاں تک کہ اس کی طرف لوٹ آئے' اور وہ دو آدمی جو ایک دوسرے سے محض اللہ کی خاطر محبت رکھتے ہیں' وہ اسی بنیاد پر اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی بنا پر الگ ہوتے ہیں.... الخ۔"

اللہ کی رحمت ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا ظہور تمام انسانوں کے لئے ہے' کافر و مسلمان کی کوئی تفریق نہیں ہے' جیسے دنیاوی نعمتیں' وسائل حیات' ہدایت کے سرچشمے اور ان سے مستفید ہونے کے مواقع تمام انسانوں کیلئے برابر کھلے ہیں۔ البتہ ایک رحمت ہے جس کیلئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ ﴾ (الاعراف: ۱۵۶'۱۵۷)

"اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہے' اور اسے میں اُن لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ جو لوگ ایسے رسول نبی امی (محمد ﷺ) کا اتباع کرتے ہیں جس کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں' بُری باتوں سے منع کرتے ہیں' پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال

بتلاتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام فرماتے ہیں' اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دُور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس (نبی موصوف) پر ایمان لاتے ہیں' ان کی عزت و توقیر کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کی اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا ۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الانعام : ۵۷)

"اور جب یہ لوگ آپؐ کے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں' تو انہیں سلام کہئے (اور کہئے) کہ تمہارے رب نے اپنے اوپر (تمہارے لئے) رحمت واجب کرلی ہے' کہ جو شخص تم میں کوئی جہالت سے بُرا کام کر بیٹھے' پھر وہ اس کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح رکھے تو اللہ کی یہ شان ہے کہ بڑا مغفرت والا اور رحمت والا ہے۔"

یہ رحمت خاص اللہ نے اپنے ان بندوں کے لئے واجب کر رکھی ہے جو زیرو لیول سے اوپر سہ منزلہ عمارت میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ ایسے خوش بختوں کو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی ﷺ کی زبانی سلام بھیجتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اگر کبائر سے بچیں گے تو ان کے صغیرہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا۔ مطالباتِ دین کی اس سہ منزلہ عمارت سے باہر رہتے ہوئے اللہ کی رحمت کی اُمید لگانا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ ﴾ (الانفطار : ٦)

"اے انسان! کس چیز نے تجھے اپنے ربِّ کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا؟"

بحمد اللہ' امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس و تقاریر پر مشتمل

تیسری CD بعنوان **اسلام اور خواتین** تیار کرلی گئی ہے

جس میں اہم معاشرتی موضوعات کے بارے میں قرآن و سنت کی راہنمائی پر مشتمل 15 تقاریر شامل ہیں

تیار کردہ : شعبہ سمع و بصر' مرکزی انجمن خدام القرآن' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

'جامع القرآن' کون؟

حضرت ابو بکر صدیقؓ یا حضرت عثمانؓ

——عبدالرشید عراقی——

جامع القرآن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ؟ واعظین حضرات اپنے خطبوں میں ان ہر دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو "جامع القرآن" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو بعض خطیب یہ ہم قافیہ عبارت پڑھ جاتے ہیں کہ "جامع آیات القرآن 'کامل الحیاء والایمان 'سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ "۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ جامع القرآن دراصل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ؟

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ملک میں چند لوگ مرتد ہو گئے اور مسیلمہ کذاب نے نہ صرف ارتداد کا ارتکاب کیا بلکہ نئے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ وہ چونکہ ایک طاقتور قبیلے کا سردار تھا اس لئے بہت سے لوگ اس کے ہمنوا ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی۔ یہ جنگ اتنی شدید تھی کہ اس میں حفاظِ قرآن کی ایک بڑی تعداد شہادت سے سرفراز ہوئی۔ یہ جنگ یمامہ کے مقام پر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی اور مسیلمہ کذاب اپنے بہت سے ساتھیوں سمیت واصل جہنم ہوا۔ لیکن اس جنگ میں فتح نصیب ہونے کے ساتھ مسلمانوں کو یہ صدمہ بھی پہنچا کہ اس میں ۳۹ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حفاظ قرآن تھے 'شہید ہوئے۔ اور بقول ڈاکٹر حمید اللہ اس جنگ میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد جو شہادت سے سرفراز ہوئے چھ ہزار تھی۔[1]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اظہارِ تشویش:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر حکومت نے تحفظ قرآن مجید پر توجہ نہ کی اور حفاظِ قرآن آئندہ جنگوں میں شہید ہوتے رہے یا طبعی موت اس دنیا سے رخصت ہوتے رہے تو پھر قرآن مجید کے لئے بھی وہی دشواری پیش آسکتی ہے جو پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں کے سلسلے میں پیش آئی تھی۔ اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یمامہ کی جنگ میں بہت سے حفّاظِ قرآن شہادت سے سرفراز ہوئے ہیں' اس لئے اگر آپ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کا بندوبست نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ قرآن مجید کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب :

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو خدشات ظاہر کئے اس کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ خیر کا کام ہے' اس لئے ہونا چاہئے۔ کئی دن تک بحث کا سلسلہ چلتا رہا۔ آخر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ کسی تیسرے کو حکم بنالیا جائے اور وہ جو فیصلہ کردے اس پر عمل کیا جائے۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ :

"حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب وحی تھے۔ (۲)

حضرت زید بن ثابت کا فیصلہ :

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فوری جواب تو وہی تھا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ کام ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ : واقعی حرج تو مجھے بھی نظر نہیں آتا۔ اور اگر کریں تو اس سے کوئی امر مانع نظر نہیں آتا۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ ہی اس کام کا بیڑا اٹھائیں۔ (۳)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ میدانِ عمل میں :

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ میں یہ کام سرانجام دوں۔ مجھے یہ کام اتنا مشکل معلوم ہوا کہ اگر وہ مجھے کسی ایک پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹا دینے کا حکم دیتے تو وہ اس حکم سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کے سلسلہ میں چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل

ایک کمیٹی بنائی۔ اس کمیٹی کے ارکان یہ تھے : ابی بن کعب رضی اللہ عنہ' ابو زید رضی اللہ عنہ' معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ (۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ اس کمیٹی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ (۵)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعلانِ عام کر دیا کہ جس کسی کے پاس قرآن مجید کی کوئی آیت لکھی ہوئی ہے وہ اس کمیٹی کے حوالے کر دے۔ چنانچہ کمیٹی کے ارکان نے بڑی تگ و دو کے بعد قرآن مجید جمع کر لیا۔ لیکن سورۂ توبہ کی دو آیات نہ ملیں۔ وہ اتفاق سے ایک ایسے صحابی سے ملیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ان کے کسی کام سے خوش ہو کر فرمایا تھا کہ آج سے تمہاری شہادت دو شہادتوں کے مساوی سمجھی جائے گی۔ اور یہ تھے حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ جن سے سورۂ توبہ کی یہ دو آیات ملیں :

﴿ لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ○ ﴾ (التوبۃ : ۱۲۸'۱۲۹)

قرآن مجید کی تدوین :

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ کمیٹی نے قرآن مجید کی تدوین مکمل کر لی تو مؤرخین نے لکھا ہے کہ مکمل نسخہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ قرآن مجید کی تدوین ۱۱ھ کے اواخر میں ہوئی۔ یہ نسخہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان کے پاس رہا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ نسخہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو یہ نسخہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت اور وجاہت کی بناء پر یہ مناسب نہیں سمجھا کہ وہ نسخہ ان سے لے لیں۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود حافظِ قرآن تھے' اس لئے یہ نسخہ حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لیکن

حضرت عثمان کے دور میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کریں اور اس سے استفادہ کیا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں آرمینیا سے جنگ کرنے کے لئے ایک فوج بھیجی گئی تو اُس وقت فوج میں ایک حادثہ پیش آیا۔ وہ حادثہ یہ تھا کہ امام اور مقتدیوں میں بعض آیتوں کی قراءت کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ اس جھگڑے نے اس قدر طول کھینچا کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل آتیں' مگر فوج کے کمانڈر انچیف کے حسنِ تدبّر سے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ جب فوج واپس مدینہ منورہ آئی تو فوج کے کمانڈر انچیف حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر جانے سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب تمام واقعہ سنا تو فوراً فیصلہ کیا کہ اس کی اصلاح ہونی چاہئے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تیار شدہ نسخہ' جو آپ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ ہے' وہ مجھے مستعار دیجئے' استفادہ کرنے کے بعد آپ کو واپس کر دوں گا۔ چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ نسخہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کارنامہ :

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے جو رپورٹ دی تھی ان کے سامنے رکھی اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ ارباب شوریٰ نے متفقہ طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی۔ کمیٹی کے ارکان یہ تھے : حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ۔ کمیٹی کے صدر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری تھے۔ باقی تینوں ارکان نامورانِ قریش تھے۔

مصحفِ عثمانی :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کمیٹی کے ارکان سے یہ بھی فرمایا کہ قرآن مجید کا نزول زبانِ

قریش پر ہوا ہے۔ اسی لئے تینوں ارکان کو جہاں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہو وہ اپنی قراءت کو ترجیح دیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ :

> "حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے چند مددگاروں کے تعاون سے دوبارہ اس پرانے نسخے کو سامنے رکھ کر نقل کرنا شروع کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہو تو مسئلہ میرے پاس بھیجو، میں خود اس کا فیصلہ کروں گا"۔ (۶)

چنانچہ جب یہ ایڈیشن تیار ہو گیا تو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اس کا نام "مصحفِ عثمانی" رکھا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے پہلا نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس بھیج دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دوسرا کارنامہ :

جب مصحفِ عثمانی تیار ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی سات نقلیں کرائیں۔ نقلیں تیار ہو گئیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں علمی دیانت داری کا جو معیار تھا اس کے تحت انہوں نے حکم دیا کہ ان ساتوں نسخوں کو ایک ایک کر کے مسجد نبوی میں ایک شخص باآواز بلند شروع سے آخر تک پڑھے، تاکہ کسی شخص کو بھی یہ شبہ نہ رہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید میں کہیں تبدیلی کی ہے۔ جب یہ سارے نسخے اس طرح پڑھے گئے، اور سب کو اطمینان ہو گیا کہ یہ نسخے صحیح ہیں، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ انہوں نے پوری اُمّتِ اسلامیہ کو ایک قراءت پر جمع کر دیا۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ :

> "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی منقبت اور ایک عظیم ترنیکی یہ ہے کہ آپؓ نے لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کر دیا"۔ (۷)

سات نسخوں کی تیاری :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ آپ کی وسعت سلطنت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ۲۷ھ میں، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۱۵ سال بعد اسلامی فوج ایک طرف اسپین میں اور دوسری طرف چین میں داخل ہو گئی تھی۔ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے ان سب براعظموں میں اسلامی سلطنت پھیل گئی تھی۔ اس کے بڑے بڑے صوبوں میں قرآن مجید کے یہ نسخے بھیجے گئے۔ اور اس کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صوبوں کے

گورنروں کو یہ حکم بھی بھیجا کہ آئندہ اس سرکاری نسخے سے نقلیں تیار کی جائیں 'اگر کسی کے پاس اس نسخہ کے خلاف کوئی دوسرا نسخہ ہے تو اس کو تلف کر دیا جائے۔

جامع القرآن :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا۔ اس کی تاویل مؤرخین نے یہ کی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو ایک قراءت پر جمع کیا اور قراءت کا جو اختلاف لوگوں میں پایا جاتا تھا اس سے ان کو بچانے کے لئے انہوں نے مکّہ معظمہ کی قراءت کو نافذ کیا۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ :

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نفس قرآن کو لوحین کے درمیان جمع کرنے کا جو کام کیا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا ارادہ نہیں کیا' بلکہ ان کا منشاء صرف یہ تھا کہ جو قراءتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور معروف ہیں ان پر مسلمانوں کو جمع کر دیں اور ان کے علاوہ جو دوسری قراءتیں ہیں ان کو ضائع کر دیں۔"(۸)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے منتشر اجزاء جو بکھرے ہوئے تھے' ان کو ایک جگہ بین اللوحین جمع کیا اور اختلاف قراءت سے تعرض نہیں کیا۔ برخلاف اس کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف ابی بکر پر اعتماد کر کے اور اس کو بنیاد بنا کا قراءتیں متعین کر دیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عظیم الشان کارنامہ کی اہمیت اور عظمت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :

"یہی جمع قرآن در مصاحف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ منطبق ہوتا ہے اور جس کی بشارت ﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴾ میں موجود ہے"۔(۹)

جب تک دنیا میں قرآن مجید اور کلمہ گو موجود ہیں اُمّتِ مسلمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے احسان کو فراموش نہیں کر سکتی۔

حواشی

(۱) خطباتِ بہاولپور' ص ۱۴' مطبوعہ ادارۂ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد

(۲) خطباتِ بہاولپور' ص ۱۴

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

مسلمان کا طرزِ حیات(۳)

علامہ ابوبکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منھاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم: مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العقائد

تیسرا باب

اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان

ایک مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اولین و آخرین کا معبودِ برحق ہے' اور اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اس کی دلیل میں مندرجہ ذیل نقلی و عقلی دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہدایت ہی کافی دلیل ہے' کیونکہ راہِ راست پر وہی چل سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نصیب ہو جائے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے محروم رکھے اسے کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔

نقلی دلائل

(۱) خود اللہ تعالیٰ' اُس کے فرشتے اور صحیح علم کے حاملین اس بات کے گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی سچا معبود ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ (آل عمران: ۱۸)

"اللہ گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اور فرشتے اور علماء بھی (گواہ ہیں)' وہ انصاف کرنے والا حاکم ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی بہت سی آیات میں یہ بات بتائی ہے ــــ مثلاً

ارشاد ہے:

﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ ﴾

(البقرة : ۲۵۵)

"اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں' وہ زندہ ہے اور قائم رکھنے والا ہے' اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند"۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾

(البقرة : ۱۶۳)

"اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ رحم کرنے والا مہربان ہے"۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا:

﴿ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ... ﴾ (طٰهٰ : ۱۴)

"یقیناً میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں' پس تم میری عبادت کرنا"۔

اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں مخاطب فرمایا:

﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ... ﴾ (محمد : ۱۹)

"پس جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔

علاوہ ازیں خود اپنے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ...﴾

(الحشر : ۲۲'۲۳)

"وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے' وہ رحم کرنے والا مہربان ہے' وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے' پاک ذات..."

(۳) اللہ کے تمام رسولوں علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے معبودِ حقیقی ہونے کی خبر دی ہے۔ انہوں نے اپنی اپنی امت کو اِسی بات کا اعتراف کرنے کی دعوت دی ہے' اور سب کو چھوڑ کر اسی کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ﴾ (الاعراف : ۵۹)

"اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام' حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم سے یہی فرمایا :

﴿ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ﴾ (الاعراف : ۶۵'۷۳'۸۵)

"اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا :

﴿ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِيۡكُمۡ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ﴾

(الاعراف : ۱۴۰)

"کیا میں تمہیں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ڈھونڈ کر دوں؟ حالانکہ اس نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔"

یہ بات آپ علیہ السلام نے اُس وقت فرمائی تھی جب بنی اسرائیل نے آپؑ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان کو پوجا پاٹ کے لیے کوئی بُت بنا دیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اس طرح اللہ کی تسبیح و تقدیس فرمائی :

﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ۖ اِنِّيۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ ﴾

(الانبیاء : ۸۷)

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تُو پاک ہے' یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔"

اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تشہد کے دوران یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے :

((اَشۡهَدُ اَنۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ))

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں۔"

عقلی دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت بلا اختلاف ثابت ہے۔ اور اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اِلٰہ اور معبود ہو۔ وہ رب جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے' جو نعمتیں دیتا اور روک لیتا ہے' جو نفع و نقصان کا مالک ہے' وہی اس بات کا مستحق ہو سکتا ہے کہ مخلوقات

اُسی کی عبادت کریں' اُسی کی اطاعت کریں' اُسی سے محبّت رکھیں' اُسی کی عظمت اور تقدیس کو پیش نظر رکھیں' اُسی سے امید رکھیں اور اسی سے خوف کھائیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اللہ کی مربوب ہے 'یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا' اسے رزق دیا' اس کی ضرورتیں پوری کیں اور اس کے حالات میں جس طرح چاہا تصرف فرمایا۔ تو اس قسم کی مخلوق جو اس کی محتاج ہے' اسے کس طرح معبود بنایا جا سکتا ہے؟ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی فرد معبود بننے کا اہل نہیں تو اِس سے ثابت ہو گیا کہ خالق کائنات ہی معبودِ برحق اور اِلٰہ حق ہے۔

(۳) کمالِ مطلق کی صفات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں' مثلاً وہ قوی و قدیر ہے' علی و کبیر ہے' سمیع و بصیر ہے' رؤوف و رحیم ہے اور لطیف و خبیر ہے۔ ان صفات کا تقاضا ہے کہ بندوں کے دلوں میں اس کی محبّت اور عظمت کا احساس جاگزیں ہو جائے' اور ان کے جسمانی اعضاء اطاعت گزاری اور فرماں برداری کے ذریعے اس کی الوہیت کا اقرار کریں۔

کتاب العقائد

چوتھا باب

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر ایمان

ایک مسلمان کے عقیدے میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ مقدسہ پر ایمان رکھے۔ ان صفات میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے' نہ تاویل کے ذریعے ان کا انکار کرے نہ مخلوق کی صفات سے ان کو تشبیہہ دے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کو تسلیم کرے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان فرمائی ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ان تمام نقائص سے پاک سمجھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

اس کے نقلی اور عقلی دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

نقلی دلائل

(۱) اللہ عزّوجلّ نے ہمیں اپنی بہت سی صفات اور اسمائے حسنیٰ سے مطلع فرمایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الاعراف : ۱۸۰)

"اور اللہ ہی کے لیے ہیں بہترین نام' لہٰذا اسے ان ناموں سے پکارو' اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ جلد ہی انہیں ان کے اعمال کا بدلہ مل جائے گا۔"

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۱۰)

"کہہ دیجئے : اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو' جس نام سے بھی پکارو تو یہ بہترین نام اسی کے ہیں۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مختلف صفات بیان کی ہیں' مثلاً وہ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ یعنی سننے والا اور دیکھنے والا ہے' عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ علم و حکمت والا ہے' قَوِيٌّ عَزِيْزٌ قوت والا اور غالب ہے' لَطِيْفٌ خبيرٌ باریک بین اور خبردار ہے' شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ قدر دان اور حلم والا ہے' غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ گناہوں کو معاف کر دینے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور عرش پر مستوی ہوا' اس نے آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا' وہ نیکو کاروں سے محبّت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے تشریف لانے اور نازل ہونے کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ یہ تمام ذاتی اور فعلی صفاتِ خداوندی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خود بتائی ہیں اور اس کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمائی ہیں۔

(۲) جناب رسول اللہ ﷺ نے اللہ عزوجل کی بہت سی صفات بیان فرمائی ہیں جو صریح احادیث میں موجود ہیں۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((يَضْحَكُ اللّٰهُ اِلٰى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْآخَرَ ' كِلَاهُمَا يَدْخُلُ

الْجَنَّةَ)) (۱)

"اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنستا ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے' پھر دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں"۔ (۲)

دوسری حدیث میں ہے:

((لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقٰى فِيْهَا وَهِيَ تَقُوْلُ : هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ' حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيْهَا رِجْلَهُ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَدَمَهُ۔ فَيَنْزَوِيْ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ' فَتَقُوْلُ : قَطْ قَطْ)) (۳)

"جہنم میں انسان ڈالے جاتے رہیں گے اور جہنم کہتی رہے گی: هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ؟ (کیا اور بھی ہیں؟) حتیٰ کہ ربّ العزت اس میں اپنا قدم مبارک رکھے گا تو وہ سمٹ جائے گی اور کہے گی: بس' بس"۔

اس کے علاوہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

((يَنْزِلُ رَبُّنَا اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ فَيَقُوْلُ : مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهُ؟ مَنْ يَسْاَلُنِيْ فَاُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَاَغْفِرَ لَه؟)) (۴)

"ہر رات' جب رات کا تیسرا حصّہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب آسمانِ دنیا پر اترتا ہے اور کہتا ہے: کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اس کی دُعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا فرماؤں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش مانگے تو میں اسے بخش دوں؟"

نیز فرمایا:

((لَلّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنْ اَحَدِكُمْ بِرَاحِلَتِهٖ)) (۵)

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جسے صحرا میں اپنی گم کردہ اونٹنی کھانے پینے اور سازو سامان سمیت مل جائے۔"

ایک صحابیؓ نے ایک لونڈی کو آزاد کرنا چاہا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس لونڈی سے دریافت فرمایا: "اللہ کہاں ہے؟" اُس نے کہا: "آسمان میں"۔ حضور علیہ السلام نے سوال کیا: "میں کون ہوں؟" اس نے کہا: "آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ تو آنحضرت

ﷺ نے اس شخص سے کہا: ((اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ)) "اس لونڈی کو آزاد کردو' یہ مؤمن ہے"۔(۶)

علاوہ ازیں ارشادِ نبوی ہے:

((يَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِيْنِهٖ' ثُمَّ يَقُوْلُ : اَنَا الْمَلِكُ' اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ؟))(۷)

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو پکڑے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا' پھر فرمائے گا: "میں بادشاہ ہوں۔ کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟""

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین کرام رحمہم اللہ اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی صفات کو تسلیم کرتے تھے۔ نہ ان کی تاویل کرتے تھے نہ تردید' نہ ان کے ظاہری معنی کا انکار کرتے تھے۔ کسی ایک صحابیؓ سے بھی ثابت نہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی تاویل کی ہو' یا انکار کیا ہو' یا کہا ہو کہ اس کا ظاہری معنی مُراد نہیں' بلکہ وہ ان پر ایمان رکھتے تھے اور انہیں ظاہری معنی پر محمول فرماتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کسی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ سے قرآن مجید کی اس آیت کا مطلب پوچھا گیا: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ (طٰهٰ : ۵) "رحمٰن عرش پر مستوی ہوا" تو جناب امامؒ نے فرمایا کہ: "استوا کا مطلب تو واضح ہے' لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں' اور یہ سوال کرنا بدعت ہے۔"

امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: "میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں' جو کچھ اللہ کی مُراد ہے اس کے مطابق۔ مَیں رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں' اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس پر بھی ایمان رکھتا ہوں' اور جو کچھ جناب رسول اللہ ﷺ سے ہمیں پہنچا ہے اس کو بھی مانتا ہوں' اس ارشاد سے جناب رسول اللہ ﷺ کا جو منشا تھا' اس کے مطابق مانتا ہوں"۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس قسم کی احادیث کے متعلق سوال ہوتا جن میں اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے' زیارت ہونے' تعجب کرنے' ہنسنے' ناراض ہونے' خوش ہونے' محبّت کرنے اور ناپسند کرنے کا ذکر ہے' تو آپؒ فرماتے: "ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں' ان کی تصدیق کرتے ہیں' لیکن کیفیت اور معنی کا تعین نہیں کرتے"۔ یعنی ہم مانتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ نازل ہوتے ہیں (رات کے آخری حصہ میں پہلے آسمان پر اور قیامت کو زمین پر نازل ہوں گے) اور اللہ تعالیٰ کی زیارت بھی ہوگی' اور ذاتِ باری تعالیٰ عرش پر اپنی مخلوق سے منفصل ہے' لیکن ہم نزول یا زیارت کی کیفیت نہیں جانتے نہ اس کے حقیقی معنی و مفہوم سے باخبر ہیں' بلکہ ہم اس کا علم اللہ کے پاس ہی سمجھتے ہیں جس نے یہ آیات اپنے نبی پر نازل کیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتے' نہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بیان کردہ اوصاف سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کرتے ہیں' اور ان اوصاف کی حقیقت و کیفیت بھی نہیں جانتے۔ بس یہ جانتے ہیں کہ کوئی چیز اللہ کی مثل نہیں' اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

عقلی دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی صفات بیان فرمائی ہیں اور بہت سے ناموں سے اپنا ذکر فرمایا ہے۔ اور ہمیں ان اسماء و صفات سے اسے موصوف کرنے سے منع نہیں کیا' نہ ہمیں تاویل کے ذریعے ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی مُراد لینے کا حکم دیا ہے۔ یہ کہنا عقل کے خلاف ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو مانیں گے تو ہم اللہ کو مخلوق سے تشبیہہ دینے والے بن جائیں گے' اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان کے ظاہری معنی مُراد نہ لیں' بلکہ تاویل کریں' اگرچہ اس تاویل کے نتیجے میں ہم اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا انکار ہی کر بیٹھیں اور اس کے مبارک ناموں کے متعلق کج روی کا شکار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہمیں اس طرح تنبیہہ فرما رہے ہیں:

﴿ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۱۸۰)

"ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں' انہیں عنقریب ان کے اعمال کا بدلہ مل جائے گا۔"

(۲) حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تشبیہہ کے خوف سے اللہ کی کسی صفت کا انکار کرتا ہے وہ خود پہلے اللہ کی صفت کو مخلوق کی صفت سے تشبیہہ دینے کا ارتکاب کرتا ہے' پھر اس تشبیہہ سے بچنے کے لیے انکار و تعطیل کا سہارا لیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے جو صفات اپنے لیے بیان فرمائی ہیں ایسا شخص ان کا انکار کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ تشبیہہ اور

تعطیل دونوں غلطیوں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر زیادہ معقول رویہ یہی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو تسلیم کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہیں' یا اس کے مقدس رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں' اور اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مقدسہ حادث مخلوقات کی صفات سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں' جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کسی مخلوق سے مشابہت نہیں رکھتی۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان اور اللہ عزّوجلّ کو ان صفات سے متّصف تسلیم کرنے سے مخلوق کی صفات سے تشبیہ لازم نہیں آتی' کیونکہ عقل کے نزدیک ناممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی صفات سے متصف ہو جو مخلوقات کی صفات جیسی نہیں' بلکہ محض نام میں اشتراک رکھتی ہیں۔ یعنی خالق کی صفات اس کے ساتھ خاص ہیں اور مخلوق کی صفات مخلوق کے ساتھ۔ ایک مسلمان جب اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مقدسہ پر ایمان کا اظہار کرتا ہے اور اُسے ان صفات سے متصف قرار دیتا ہے تو اُس کے تصور میں ہرگز یہ خیال نہیں ہوتا کہ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کسی بھی لحاظ سے اور کسی بھی مفہوم میں مخلوق کے ہاتھ سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات' صفات اور افعال میں مخلوقات سے الگ اور ممتاز ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ ﴾ (الاخلاص : ۱۔ ۴)

"(اے پیغمبرؐ !) کہہ دیجئے : اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنم دیا ہے اور نہ اسے کسی نے جنم دیا ہے' اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔"

نیز ارشاد ہے :

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○ ﴾ (الشوریٰ : ۱۱)

"اس کی مثل کوئی چیز نہیں' اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

ملائکہ پر ایمان

مسلمان فرشتوں کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں۔ فرشتے اللہ کی ایک اشرف مخلوق اور اس کے معزز بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کو مٹی سے اور جنوں کو آگ سے پیدا کیا ہے' اسی طرح اس نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا ہے اور ان کو مختلف کام سونپے ہیں' جن کو وہ پوری تندہی سے انجام دیتے ہیں۔ بعض فرشتے انسانوں کی حفاظت پر مامور ہیں' بعض انسانوں کے اعمال کا ریکارڈ تیار کرتے ہیں' بعض کے فرائض جنت اور اس کی نعمتوں سے متعلق ہیں اور بعض کے فرائض کا تعلق جہنم اور اس کے عذابوں سے ہے۔ اس کے علاوہ ایسے فرشتے بھی ہیں جو دن رات اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی سُستی یا تھکن کا شکار نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو دوسروں سے افضل بنایا ہے' جن میں ملائکہ مقربین' مثلاً جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام وغیرہ شامل ہیں۔

ہم یہ عقیدہ اس لیے رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں ہدایت وحی ہے اور ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے نقلی اور عقلی دلائل بھی اس عقیدے کی تائید کرتے ہیں۔

نقلی دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرشتوں پر ایمان رکھنے کا حکم دیا ہے اور ان کے بارے میں بتایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا۝ ﴾ (النساء: ۱۳۶)

"اور جو شخص اللہ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور یومِ آخرت کا انکار کرے تو گویا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔"

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ ﴾ (البقرۃ: ۹۸)

"جو کوئی اللہ کا دشمن ہے اور اس کے فرشتوں اور رسولوں کا اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔"

علاوہ ازیں ارشاد ہے :

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ (النساء: ۱۷۲)

"مسیح (علیہ السلام) کو اس بات سے ہرگز کوئی عار نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ بن کر رہے اور نہ مقرب فرشتوں کو (کوئی عار) ہے"

اور قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ○ ﴾ (الحاقّة: ۱۷)

"اور اُس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔"

علاوہ ازیں خدائے بزرگ و برتر کا فرمان ہے :

﴿ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ﴾ (المدّثّر: ۳۱)

"اور ہم نے جہنم (کے انتظامات) پر مقرر افراد کو فرشتے بنایا ہے..."

نیز خداوند قدوس کا ارشاد ہے :

﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ○ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ . . . ﴾ (الرّعد: ۲۳٬۲۴)

"اور فرشتے ہر دروازے سے اُن (جنتیوں) کے پاس آرہے ہوں گے، کہیں گے: تم پر سلامتی ہو، کیونکہ تم نے صبر و استقامت کو اختیار کیا ہے۔"

اس کے علاوہ ارشاد ہے :

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (البقرۃ: ۳۰)

"اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: کیا تو اُس میں مقرر کرے گا اُس کو جو اس (زمین) میں فساد پھیلائے اور خوں ریزی کرے؟ جبکہ ہم تیری حمد و تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں۔ فرمایا: میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔"

(۲) جناب رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث میں فرشتوں کی موجودگی کی خبر دی ہے' مثلاً جب حضور ﷺ نمازِ تہجد کے لیے اُٹھتے تھے تو یہ دُعا پڑھتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرَائِیلَ وَمِیکَائِیلَ وَاِسْرَافِیلَ' فَاطِرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ' عَالِمَ الغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ' اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیمَا کَانُوا فِیهِ یَخْتَلِفُونَ' اِھْدِنِی لِمَا اخْتُلِفَ فِیهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ' اِنَّكَ تَھْدِی مَنْ تَشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیمٍ)) (۱)

"اے اللہ! اے جبرائیل و میکائیل و اسرافیل کے مالک! اے آسمانوں اور زمین کے خالق! اے پوشیدہ اور ظاہر سے باخبر! تُو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ حق کی جس بات میں تیرے حکم سے اختلاف کیا گیا ہے اس میں میری رہنمائی فرما۔ تُو جسے چاہتا ہے راہِ راست کی ہدایت دیتا ہے۔"

اس کے علاوہ حدیث میں آیا ہے:

((اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَھَا اَنْ تَئِطَّ' مَا فِیھَا مَوْضِعُ اَرْبعِ اَصَابِعَ اِلاَّ وَعَلَیْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ)) (۲)

"آسمان چرچراتا ہے' اور اسے حق ہے کہ وہ چرچرائے' اس میں چار انگلیوں کی جگہ بھی خالی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سربجود نہ ہو۔"

نیز ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ الْبَیْتَ الْمَعْمُوْرَ یَدْخُلُهُ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ' ثُمَّ لَا یَعُوْدُوْنَ)) (۳)

"بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں' پھر وہ دوبارہ داخل نہیں ہوتے۔"

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے :

((إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ كَانَ عَلَى كُلِّ بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ مَلَائِكَةٌ يَكْتُبُوْنَ' الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ' فَإِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ طَوَوْا الصُّحُفَ وَجَاءُوْا يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ)) (۴)

"جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازے پر فرشتے سب سے پہلے آنے والوں اور ان کے بعد آنے والوں کے نام لکھنے لگتے ہیں۔ جب امام (خطبہ سے پہلے منبر پر) بیٹھتا ہے تو وہ اپنے صحیفے لپیٹ کر ذکر (یعنی خطبہ) سننے کے لیے آجاتے ہیں"۔

وحی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ أَحْيَانًا رَجُلاً فَيُكَلِّمُنِيْ فَأَعِيْ مَا يَقُوْلُ)) (۴)

"... بعض اوقات فرشتہ انسانی صورت میں میرے سامنے آتا ہے اور مجھ سے باتیں کرتا ہے' تو جو کچھ وہ کہتا ہے میں یاد کرلیتا ہوں"۔

ایک حدیث میں ارشاد ہوا :

((يَتَعَاقَبُ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ)) (۶)

"تمہارے پاس کچھ فرشتے دن کو اور کچھ رات کو اپنی اپنی باری پر آتے ہیں"۔

اس کے علاوہ ارشاد ہے :

((خَلَقَ الْمَلَائِكَةَ مِنْ نُوْرٍ' وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَارٍ' وَخَلَقَ آدَمَ مِمَّا وَصَفَ لَكُمْ)) (۷)

"اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا اور جِنّوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ اور آدم کو اُس چیز سے جو اس نے تمہیں بتائی ہے"۔

(۳) غزوۂ بدر کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد نے فرشتوں کو دیکھا' اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتماعی طور پر کئی بار حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا ہے' کیونکہ آپ علیہ السلام بعض اوقات حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث بہت مشہور ہے' جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے انسانی صورت میں آنحضرت ﷺ کی

خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کچھ مسائل دریافت کیے تھے۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ مسائل دریافت کرنے والے صاحب کون تھے؟" صحابہ نے عرض کیا: "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں"۔ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ جبریل علیہ السلام تھے' تمہیں تمہارے دین کی باتیں سکھانے آئے تھے"۔ (۸)

(۴) ہر زمانے اور ہر علاقے میں رسولوں پر ایمان رکھنے والے اربوں مؤمن فرشتوں کے وجود کو تسلیم کرتے آئے ہیں' اور رسولوں نے فرشتوں کے متعلق جو کچھ بتایا' یہ مؤمنین اسے حق تسلیم کرتے ہیں۔

عقلی دلائل

(۱) عقل فرشتوں کے وجود کا انکار نہیں کرتی' نہ اسے محال تصور کرتی ہے' کیونکہ عقل کے نزدیک وہ چیز محال ہوتی ہے جس سے اجتماعِ ضدین لازم آتا ہو' مثلاً کسی چیز کا ایک ہی وقت میں موجود بھی ہونا اور معدوم بھی۔ اسی طرح اجتماعِ نقیضین بھی عقل کے نزدیک محال ہے' مثلاً کسی مقام پر روشنی اور تاریکی کا بیک وقت پایا جانا۔ فرشتوں پر ایمان سے اس قسم کا کوئی محال لازم نہیں آتا۔

(۲) تمام اہل عقل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی چیز کا اثر اس کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اس قانون کو پیش نظر رکھیں تو بہت سے اثرات فرشتوں کی موجوگی کو ثابت کرتے ہیں' مثلاً:

ا۔ انبیائے کرام پر وحی کا نزول۔ کیونکہ ان پر وحی اکثر وحی پر مقررہ فرشتہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے نازل ہوتی رہی ہے۔ اور یہ ایسا واضح اثر ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا' اور اس سے فرشتوں کا وجود ثابت ہوتا ہے۔

ب۔ مخلوقات کی روح قبض کرکے انہیں فوت کرنا۔ یہ ایک واضح اثر ہے جس سے ملک الموت اور ان کے ساتھ آنے والے فرشتوں کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ... ﴾ (السجدہ: ۱۱)

"(اے نبیؐ)! فرمادیجئے: تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا

ہے۔۔۔۔۔۔"

ج۔ جنّوں اور شیطانوں کی شرارتوں سے انسانوں کی حفاظت۔ انسان ان کے درمیان زندگی گزارتا ہے' وہ اسے دیکھتے ہیں اور انسان انہیں نہیں دیکھ سکتا' وہ انسان کو تکلیف دے سکتے ہیں اور انسان انہیں تنگ نہیں کر سکتا' بلکہ ان سے اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود وہ زندگی بھر ان کی شرارتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی حفاظت کرنے والے اور شیطانوں سے اس کو بچانے والے فرشتے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ ﴾

(الرّعد : ۱۱)

"اس کے پہرے والے ہیں' اُس (بندہ) کے آگے سے اور پیچھے سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔"

(۳) اگر انسان اپنی نظر کی کمزوری کی وجہ سے کسی چیز کو نہ دیکھ سکے' یا انسان میں کسی چیز کو دیکھنے کی کامل استعداد نہ ہو تو اس سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ وہ چیز فی الواقع موجود ہی نہیں۔ بہت سی مادی اشیاء ایسی ہیں جو خالی آنکھ سے نظر نہیں آتیں اور جدید آلات کی ایجاد سے قبل انسان اُن سے واقف نہیں تھا' لیکن اب خوردبین کے ذریعے ہم انہیں بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

حواشی

چوتھا باب :

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد' باب الکافر یقتل المسلم ثم یسلم فیسدد بعد ویقتل۔
صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب بیان الرجلین یقتل احدهما الآخر یدخلان الجنۃ

(۲) مقتول شہید ہو کر جنّت میں چلا جاتا ہے' اور قاتل کو اسلام لانے کی توفیق ملتی ہے اور جب وہ فوت یا شہید ہو جاتا ہے تو جنّت میں جاتا ہے۔

(۳) صحیح البخاری کتاب الایمان' باب قول اللّٰہ تعالیٰ ان اللّٰہ هو الرزاق ذو القوۃ المتین۔ صحیح مسلم' کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمها واهلها' باب جهنم اعاذنا اللّٰہ منها۔ (حدیث کے یہ الفاظ صحیح مسلم کے مطابق ہیں)

(۴) صحیح البخاری' کتاب التهجد' باب الدعاء والصلاۃ من آخر اللیل۔ صحیح

مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب افضل الصلاۃ طول القنوت

(۵) صحیح مسلم' کتاب التوبۃ' باب فی الحض علی التوبۃ والفرح بھا

(٦) صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ' باب تحریم الکلام فی الصلاۃ' ونسخ ما کان من اباحتہ

(٧) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب یقبض اللّٰہ الارض

پانچواں باب :

(۱) صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین قصرھا باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ

(۲) **اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث معلول ہے**

(۳) **اس کی اصل صحیحین میں ہے دیکھئے** صحیح البخاری کتاب بدء الخلق ذکر الملائکۃ۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

(۴) **اسے امام مالک نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ نیز** صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب الاستماع الی الخطبۃ صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب ما جاء ان الملائکۃ تکتب علی ابواب المسجد الاول فالاول وفصل التحیر

(۵) صحیح البخاری' کتاب بدء الوحی

(٦) صحیح البخاری کتاب المواقیت' باب فضل صلاۃ العصر

(٧) صحیح مسلم کتاب الزہد والرقائق باب فی احادیث متفرقہ

(۸) **یہ حدیث صحیح مسلم باب اول اور** صحیح البخاری کتاب الایمان باب **سوال** جبریل علیہ السلام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاعیان **میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ موجود ہے۔**

بقیہ : جامع القرآن کون؟

(۳) **صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' مولانا سعید احمد اکبر آبادی' ص ۳۹۳' طبع دہلی ۱۹۵۷ء**

(۴) **صحیح بخاری ج ۲' ص ۷۴۸**

(۵) **خطبات بہاولپور' ص ۱۵**

(٦) **خطبات بہاولپور' ص ۱۹**

(٧) **البدایہ والنہایہ' ج ٧' ص ۲۱۸**

(۸) **الاتقان فی علوم القرآن' ج ۱' ص ۱۰۳' بحوالہ صدیق اکبرؓ مولانا سعید احمد اکبر آبادی' ص ۴۰۱**

(۹) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء' ج ۲' ص ۵

امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

حافظ محمد صفدر ساجد

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان نادر روزگار شخصیتوں میں سے ایک ہیں جو روز روز دُنیا میں نہیں آتیں اور جن کی روشنی اور تابانی ایک عالم کو منور کر جاتی ہے۔

آپ شام کے ایک مشہور علمی خاندان میں ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ کو پیدا ہوئے۔ والدین نے آپ کا نام احمد رکھا' بعد میں ان کا لقب تقی الدین اور کنیت ابو العباس رکھی گئی۔ آپؒ پانچ سال تک اسی بستی حران میں مقیم رہے جس میں آپؒ کی ولادت ہوئی تھی اور چھ برس کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ دمشق آگئے اور یہاں "دارالحدیث السکریۃ" اور "مدرسۃ ابی عمر" میں علم حاصل کرتے رہے۔ آپؒ کی زیرکی اور ذہانت کا عالم یہ تھا کہ جب بھی کسی عبارت یا کتاب کو ایک مرتبہ پڑھ لیتے تو اسے دوبارہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے اور وہ ہمیشہ کیلئے آپؒ کے ذہن میں مرتسم ہو جاتی۔ حافظ ابن عبد الہادی نے اپنے تذکرہ "العقود الدریۃ" میں ایک روایت بیان کی ہے کہ :

ایک مرتبہ دمشق میں حلب کے ایک بہت بڑے عالم تشریف لائے تو انہوں نے شہر کے ایک نوخیز لڑکے احمد بن تیمیہ کے سرعتِ حفظ کا شہرہ سنا۔ چنانچہ ایک دن وہ ان کے مدرسے کی راہ میں کھڑے ہوگئے اور جب چھوٹے سے ابنِ تیمیہ ادھر سے گزرنے لگے تو انہوں نے ابنِ تیمیہ کو روک لیا اور ان سے تختی پر تیرہ احادیث لکھوائیں' پھر ان کو ان احادیث کے پڑھنے کا حکم دیا۔ مستقبل کے امام شیخ الاسلام نے تختی پر ایک نظر ڈالی اور اسے اس عالم کو تھماتے ہوئے کہا کہ :

"اس کے لئے تختی دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں' میں ان احادیث کو زبانی ہی سنا دیتا ہوں"۔ وہ شیخ اس پر بڑے متعجب ہوئے اور دوبارہ چند احادیث لکھوائیں۔ نوعمر ابنِ تیمیہ نے دوبارہ اسی طرح صرف ایک نظر ڈالنے کے بعد احادیثِ مکتوبہ کو زبانی سنا دیا۔ اُس شیخ حلب نے فرطِ تعجب سے بے ساختہ کہا کہ :

"اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو دُنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا کہ میں نے اس بلا کا حافظہ کہیں

نہیں دیکھا۔"

امام ابنِ تیمیہؒ ابھی سترہ برس کے نہیں ہوئے تھے کہ ان کے جلیل القدر استاذ قاضی شرف الدین المقدسیؒ نے انہیں مسندِ افتاء کو زینت بخشنے کی اجازت مرحمت فرمادی اور بائیس برس کی عمر میں حکومت نے انہیں دمشق کے عظیم ترین مدرسہ "دارالحدیث السکریة" میں شیخ الحدیث کے منصب بلند پر فائز کردیا' جس پر اپنی وفات تک ان کے والد شیخ عبدالحلیمؒ براجمان رہ چکے تھے۔

امام ابنِ تیمیہؒ نے جب اس مدرسہ میں پہلا درس دیا تو اس میں آپؒ کے علم و فضل کی شہرت کی بناء پر قاضی القضاۃ شیخ بہاؤالدین یوسف الشافعیؒ' شیخ الاسلام تاج الدین الفرازیؒ' شیخ زین ابو حفص عمرالمکیؒ اور شیخ زین الدین ابوالبرکات بن المنجیؒ ایسے نامور علماء و قضاۃ موجود تھے۔ امام ابنِ تیمیہؒ نے اس درس میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق اس قدر نکات بیان کئے کہ تمام سامعین حیران رہ گئے اور شیخ الاسلام تاج الدین الفرازیؒ نے تو خود اپنے ہاتھ سے اس تقریر کو قلمبند کرکے مدرسہ کے کتب خانے میں محفوظ کردیا تاکہ آنے والی نسلیں بھی اس سے استفادہ کرتی رہیں۔

دارالحدیث میں تدریس کے دوران ان کا انداز یہ ہوتا تھا کہ کسی بھی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے پہلے قرآن حکیم سے دلائل پیش کرتے' پھر حدیثِ نبویؐ سے اور اس کے بعد آراءِ صحابہؓ و تابعینؒ اور اقوالِ فقہاء کو پیش کرتے۔ ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے اقوال کو پیش کرتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ کسی ایک کی رائے سے اتفاق کی بجائے حق کی حمایت و تائید کریں' چاہے وہ کسی جانب سے بھی ہو۔ تحریر و تقریر اور خطبات و فتاویٰ میں بھی آپؒ کی روش یہی تھی۔

۲ محرم الحرام ۶۸۳ھ میں آپؒ دارالحدیث میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور ۱۰ صفر المظفر ۶۸۳ھ میں آپؒ نے جامع دمشق میں ہر جمعہ کو تفسیرِ قرآن کا درس دینا شروع کیا۔ اس کی اس قدر شہرت ہوئی کہ دور دراز سے لوگ آپؒ کا درس سننے کے لئے آتے' یہاں تک کہ ابنِ کثیرؒ کے الفاظ میں :

کان یجتمع عندہ الخلق الکثیر والجم الغفیر ...... وصارت بذکرہ الرکبان فی سائر الاقالیم والبلدان

"کہ خلق کثیر اور جم غفیر کا اجتماع ہوتا . . . . اور تمام علاقوں اور شہروں میں ان کے نام کی شہرت ہو گئی۔" (البدایہ والنہایہ ج ۱۴)

۲۹ برس کی عمر میں آپؒ کو منصب قضا پیش کیا گیا۔ آپؒ نے صرف اس لئے اسے ٹھکرا دیا کہ آپؒ حکومت کی منشاء پر صرف متاخرین اشاعرہ کے مسلک کی پابندی کے لئے تیار نہ تھے۔ اسی بناء پر وہ جامع دِمشق میں درسِ تفسیر کے دوران کئی دفعہ مخالفت مول لے چکے اور اپنے خلاف مظاہرے دیکھ چکے تھے۔

امام ابنِ تیمیہؒ صرف بزم ہی کے نہیں بلکہ رزم کے انسان بھی تھے۔ چنانچہ تاتاریوں نے جب دمشق اور شام پر یلغار کی تو امام نہ صرف پچھلی صفوں میں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی دینے پر انگیخت کرتے بلکہ اگلی صفوں میں کھڑے ہو کر پروانہ وار نیزوں اور تلواروں کے وار اپنے سینے پر بھی روکتے۔ یہاں تک کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ :

"شام و مصر کے مسلمانوں کو تاتاریوں کے مقابلہ میں صف آراء کرنے میں بہت بڑا ہاتھ امام ابنِ تیمیہؒ کا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے یا ان کی ایمان بھری تقریریں اور تحریریں مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ نہ کرتیں تو کوئی بھی تاتاریوں کی راہ میں مزاحم ہونے پر تیار نہ ہوتا اور پھر جب مسلمان تاتاریوں کے مقابلہ پر پوری طرح کمربستہ ہو گئے تو امام ابنِ تیمیہؒ گھر جا کر نہیں بیٹھ گئے' بلکہ عام سپاہیوں کے دوش بدوش دادِ شجاعت دیتے رہے' یہاں تک کہ معرکہ شقحب میں جب زور کا رَن پڑا تب امام ابنِ تیمیہؒ نے اُمراءِ لشکر میں سے ایک سے کہا :

"مجھے وہاں لے چلو جہاں موت اپنے پر پھیلائے کھڑی ہو۔"

امیر عنا کرنے آپؒ کے اصرار پر آپؒ کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں پر چہار طرف سے تاتاریوں کے تیر برس رہے تھے۔ امام نے وہاں پہنچ کر اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھا دیئے اور دیر تک آسمان کی طرف نگاہیں بلند کئے دعا مانگتے رہے' پھر میان سے تلوار نکالی اور عقاب کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے اور اس دلیری' بہادری اور جان بازی سے لڑے کہ

بڑے بڑے جوانمردوں اور آبائی سپہ گروں نے بے ساختہ آپؒ کی تعریف و توصیف کی اور آپؒ کی شجاعت کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اسی معرکہ میں تاتاریوں کو وہ شکست ہوئی کہ اس کے بعد پھر کبھی انہیں شام پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔"

تاتاریوں کی جنگ سے فراغت کے بعد امام ابنِ تیمیہؒ حسبِ سابق ہمہ تن دین کی خدمت میں مشغول ہو گئے اور ان بدعات و رسوم کے خلاف قلمی اور لسانی جہاد کا آغاز کیا جو اس وقت تک مسلمانوں میں رواج پا چکی تھیں اور دین کا حصہ بن چکی تھیں۔

ساتویں صدی ہجری اس لحاظ سے منفرد خصوصیت کی حامل ہے کہ اس میں بدعات کو جس قدر فروغ حاصل ہوا کسی اور زمانے میں نہیں ہوا۔ باوجودیکہ علماء مجتہدین اس زمانے میں بڑی کثرت سے موجود تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ پورے زور و شور سے جاری تھا، اِن مشرکانہ رسوم اور بدعات کی طرف کسی نے توجہ نہ دی، تا آنکہ امام ابنِ تیمیہؒ نے ان کے خلاف بھرپور جدّوجُہد اور جہاد کا آغاز کیا۔ رجب اور شعبان کی بدعتوں پر آپؒ نے تفصیلی کتابیں لکھیں اور بے شمار مناظرے کیے۔ صلوٰۃ الرغائب کے علاوہ حولی، شہری اور اسبوعی جیسی خود ساختہ نمازوں کا خاتمہ کیا۔ وہ استھان توڑے جن کو مسلمانوں نے خوش عقیدگی کی بنا پر عبادت گاہوں کا درجہ دے رکھا تھا۔ گدڑی پوش فقیروں کی اصلاح کی، جو بھنگ و افیون کے نشہ میں سرمست، شریعت کی تمام حدوں کو توڑ بیٹھے تھے اور لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز و محور بن چکے تھے۔ ولایت اور شعبدہ بازی کے درمیان فرق کیا اور لوگوں کو ان میں امتیاز کرنے کا طریقہ سمجھا دیا۔ لوگوں کو جاہل واعظوں، اَن پڑھ مولویوں اور خود ساختہ پیروں اور مشائخ کے چکر سے نکالا اور اقاویلِ رجال سے ہٹ کر کتاب و سنّت کی پیروی کا درس دیا۔ اس سلسلہ میں آپؒ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کئی دفعہ پابندِ سلاسل ہوئے، لیکن زندگی کے آخری لحات تک اس دعوتِ حق کے دینے سے گریز نہ کیا جس کی ابتداء پہلے روز کی تھی، تا آنکہ انہی قید و بند کی صعوبتوں میں آپؒ نے آخر ذوالقعدہ ۷۲۸ ہجری میں اس دارِ فانی کو چھوڑ کر دارِ بقاء کا رخ کیا۔

امام ابنِ تیمیہؒ حق گوئی و بے باکی کے ممتاز ترین وصف سے پوری طرح متصف تھے۔ صاحب "دُررِ کامنہ" لکھتے ہیں کہ :

"قطلوبک منصوری ملکِ شام کا ایک ترکی رئیس تھا۔ حکومت میں بھی اس کو بڑا رسوخ تھا۔ تاجروں سے چیزیں خریدتا تھا اور ان کی قیمت فوراً ادا نہیں کرتا تھا۔ پیسہ وصول کرنے کے لئے تاجروں کو بار بار اس کے گھر کا چکر لگانا پڑتا تھا اور کبھی کسی سے ناراض ہوتا تو اس کو دُرے بھی لگوا دیتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک تاجر کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔ اس کو کئی مرتبہ گھمانے پھرانے کے باوجود روپیہ نہیں دیا۔ اس نے امام موصوفؒ سے واقعہ بیان کیا۔ وہ اس کو لے کر سیدھے قطلوبک کے پاس گئے۔ وہ دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ تاجر کی داد رسی کے لئے آئے ہیں۔ ملاقات ہوتے ہی طنز کے طور پر کہا :
جب تم کسی امیر کو کسی فقیر کے دروازے پر دیکھو تو سمجھو کہ امیر اور فقیر دونوں اچھے ہیں' اور جب تم کسی فقیر کو کسی امیر کے دروازے پر دیکھو تو سمجھو کہ فقیر اور امیر دونوں بُرے ہیں۔ امام موصوفؒ نے فوراً ہی جواب دیا : فرعون تجھ سے بُرا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے اچھّے تھے' اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر روز فرعون کی ڈیوڑھی پر جاتے تھے اور اس کو ایمان کی دعوت دیتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دروازے پر گیا ہو۔ میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ اس تاجر کا حق ادا کرو۔ امام ابنِ تیمیہؒ کا برمحل جواب سن کر قطلوبک شرمندہ ہو گیا۔ کوئی جواب نہیں بن پڑا اور بعد ازیں فوراً ہی تاجر کا روپیہ ادا کر دیا۔"

امام ابنِ تیمیہؒ بڑے سے بڑے شخص کے سامنے بھی اس زور اور قوت سے گفتگو کرتے تھے کہ مخاطب ان سے مرعوب ہو جاتا تھا۔ اسی حق گوئی و بے باکی کی وجہ سے ان کو مختلف مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسرے علماء مصلحت کا خیال کر کے بعض اوقات چپ ہو جاتے تھے' مگر امام موصوفؒ کسی کی پرواہ کئے بغیر مسئلہ کی حقیقت کو پیش کر دیتے تھے۔ امام جب اسکندریہ سے رہا ہو کر آئے اور سلطان ناصر اور اس کے وزیر نے اہلِ کتاب سے ایک بھاری رقم لے کر ان سے رعایت کرنا چاہی اور سلطان نے علماء سے فتویٰ پوچھا تو

اس کے تیور دیکھ کر علماء خاموش ہو گئے مگر امام موصوفؒ نے اس پہلی ہی مجلس میں سلطان کو ڈانٹنا شروع کر دیا اور اس کا ہرگز کوئی خیال نہیں کیا کہ اسی کی مہربانی سے قید سے رہا ہو کر آئے ہیں۔

اسی طرح جود و سخا میں بھی آپؒ بے نظیر تھے۔ امام موصوفؒ کوئی مالدار آدمی نہیں تھے۔ انہیں دارُالحدیث السکریہ اور دارُالحدیث الحنبلیہ میں پڑھانے کی معمولی تنخواہ ملتی تھی۔ انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ ان کا کھانا پینا زیادہ تر ان کے بھائی شیخ شرف الدین عبداللہ ابنِ تیمیہؒ کے ہاں تھا اور جب مصر میں تھے تو وہ اپنے چچازاد بھائی کے گھر رہا کرتے تھے' تاہم وہ اپنی استطاعت کے مطابق ہر ایک کی امداد و اعانت کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ درہم و دینار اور کپڑا جو کچھ بھی ان کے پاس موجود ہو تا وہ حاجت مندوں کو دے دیتے تھے۔ جب کبھی کسی کے پاس سے تحفے تحائف آتے تھے تو اس میں سب کو شریک کر لیا کرتے تھے۔ شیخ شہاب الدین احمد بن فضل اللہ العمریؒ کہتے ہیں کہ :

"ہر سال عطیات کی صورت میں بہت سے دینار اور درہم ان کے پاس آتے تھے جن کو وہ غریبوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور اپنے نفس کے لئے ان میں سے کوئی پیسہ خرچ نہیں کرتے تھے۔"

ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور اس نے سلام کیا۔ صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ اس کو عمامہ کی ضرورت ہے۔ آپؒ نے اپنا عمامہ نکالا اور اس کا آدھا حصہ چاک کر کے اس کے حوالے کر دیا۔

ایک دن ایک راہ چلتے آدمی نے ان کو دعا دی اور آپؒ نے اپنے لباس کا ایک حصہ اس کے حوالے کر دیا اور کہا : جاؤ اس کو اپنے کام میں لے آؤ۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک کتاب مانگی۔ امام ابنِ تیمیہؒ نے کہا : "لو تمہارے سامنے ساری کتابیں رکھی ہیں' جو چاہو پسند کر کے اٹھا لو۔" اس نے اپنے لئے وہی قرآن مجید پسند کیا جس کو آپؒ نے کئی درہم دے کر خرید اتھا۔ جب وہ لے کر چلا گیا تو آپؒ کے ساتھیوں نے ملامت کی۔ انہوں نے کہا :

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

رمضان اور روزے کی اہمیت

تحریر : فرخ رشید

روزہ کیلئے عربی میں لفظ "صوم" استعمال ہوتا ہے' جس کے معنی ہیں رُک جانا' آہستہ ہو جانا' ترک کر دینا۔ لیکن شرعی اصطلاح میں روزہ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے' پینے اور دیگر خواہشاتِ نفسانی کے دبانے کا نام ہے۔ قرآن و حدیث کی رو سے روزہ ہر بالغ و عاقل مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

قرآن پاک میں رمضان کی فضیلت و عظمت کی تین وجوہ بیان کی گئیں ہیں۔

(۱) نزول قرآن : یعنی اس مہینے میں قرآن پاک نازل ہوا۔

(۲) لیلۃ القدر : یعنی اس مہینے میں ایک ایسی مبارک رات ہے جو خیر و برکت میں ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

(۳) فرضیتِ صوم : یعنی اس مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کئے گئے۔

انہی فضائل کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے اس کو "شَهْرُ اللّٰهِ" یعنی اللہ کا مہینہ کہہ کر خدا کی طرف نسبت کا شرف بخشا ہے۔

فضیلتِ رمضان کے وجوہ

(۱) نزول قرآن

قرآن پاک کا ارشاد ہے :

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ﴾ (البقرة : ۱۸۵)

"رمضان کا مہینہ' وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا' جو سارے انسانوں کیلئے ہدایت ہے اور جو راہ حق دکھانے والی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی کتاب ہے۔"

رمضان کی فضیلت و عظمت کیلئے صرف یہی بات کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں ہدایت کی آخری کتاب نازل فرمائی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ انسانیت اگر سرچشمۂ ہدایت سے

محروم ہوتی تو یہ پورا کارخانہ حیات سورج کی تابناکی اور تاروں کی دلآویز روشنی کے باوجود نامکمل اور بے مقصد ہوتا اور کفر و الحاد اور شرک و معصیت میں بھٹکے ہوئے انسان جنگل کے درندوں سے بھی زیادہ بدتر ہوتے۔ اس زمین پر قرآن ہدایت کا سرچشمہ ہے' جو اس سے محروم ہے وہ یقیناً ہدایت اور خیر سے محروم ہے۔

(۲) لیلۃ القدر :

قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ قرآن رمضان اور لیلۃ القدر میں نازل ہوا : ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝﴾ "ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔" حدیث میں وضاحت ہے کہ : "اس ماہ میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے"۔ (سلمان فارسیؓ، مشکوۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس طاق راتوں میں تلاش کرو"۔ (بخاری)

(۳) فرضیتِ صوم :

اللہ تعالیٰ نے روزے جیسی اہم عبادت کو اس مہینے میں فرض فرمایا۔ قرآن میں ہے :

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ (البقرۃ : ۱۸۵)

"پس جو شخص بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس (پورے مہینے) کے روزے رکھے۔"

قرآن پاک میں روزے کے متعلق واضح حکم ہے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ : ۱۸۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلی قوموں پر فرض کیے گئے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔"

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی "تفہیم القرآن" میں اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں :

"اسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینے میں تین روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی' مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔ ۲ھ میں رمضان کے روزوں کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا'

مگراس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ برداشت کی طاقت کے باوجود روزہ نہ رکھ سکیں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلادیں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ رعایت منسوخ کردی گئی۔ لیکن مریض' مسافر' حاملہ و دودھ پلانے والی عورت اور کمزور و ضعیف کیلئے یہ رعایت رکھی گئی کہ جب عذر باقی نہ رہے تو قضا کے اتنے روزے رکھ لیں جتنے چھوٹ گئے ہیں"۔

رمضان کی عظمت وفضیلت حدیث میں

نبی اکرم ﷺ نے رمضان کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا :

☆ "جب رمضان کی پہلی رات آئی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں' ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں ہوتا' اور اللہ کا منادی پکارتا ہے۔ اے بھلائی اور خیر کے طالب! آگے بڑھ' اور اے برائی اور بدعملی کے شائق! رک جا' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے نافرمان بندوں کو دوزخ سے رہائی بخشی جاتی ہے' اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے"۔ (جامع ترمذی' ابن ماجہ)

☆ "یہ وہ مہینہ ہے جب مومن کی روزی میں اضافہ کردیا جاتا ہے"۔ (مشکوٰۃ)

☆ "رمضان تمام مہینوں کا سردار ہے"۔ (علم الفقہ جلد ۳' بحوالہ مرقاۃ المفاتیح)

☆ "اس مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت ہے' درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش جہنم سے رہائی اور نجات ہے"۔ (مشکوٰۃ)

☆ "اس مہینے میں جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے اپنی خوشی سے کوئی نفلی نیکی کرے گا تو وہ فرض کے برابر ثواب پائے گا اور جو ایک فرض ادا کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کے برابر ثواب حاصل کرلے گا"۔ (مشکوٰۃ)

☆ "جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے گئے۔ اور جو رمضان کی راتوں میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کیلئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں"۔ (متفق علیہ)

☆ "روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے"۔

☆ "جس نے رمضان میں کسی روزہ دار کو اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کیلئے روزہ افطار کرایا تو اس کے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی ہوگی"۔ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان حاصل نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرادے۔ اور جو کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلادے اللہ اس کو میرے حوض (یعنی حوضِ کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا کہ جس کے بعد اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا"۔ (معارف الحدیث از مولانا محمد منظور نعمانی)

رمضان کی عظمت و اہمیت تاریخ کے حوالے سے

تاریخ کی شہادت ہے کہ حق و باطل کی پہلی فیصلہ کن جنگ غزوۂ بدر اسی مہینے میں ہوئی۔ اور اسی دن کو قرآن نے "یوم الفرقان" قرار دیا۔ پھر تاریخ کی شہادت یہ بھی ہے کہ رمضان ہی میں مکہ بھی فتح ہوا۔ ان معلومات کو مرتب کر کے غور کیجئے :

☆ حق کی ہدایت اسی مہینے میں نازل ہوئی۔

☆ اسلام کو ابتدائی غلبہ اسی مہینے میں نازل ہوا۔

☆ اسلام کو مکمل غلبہ بھی اسی مہینے میں حاصل ہوا۔

رمضان کا مہینہ ہر سال انہی حقیقتوں کی یاد دہانی کیلئے آتا ہے کہ شریعت نے اس مہینے میں روزے فرض کئے اور قیامِ لیل اور تلاوت کا حکم دیا' تاکہ مؤمنین میں رُوحِ جہاد مُردہ نہ ہونے پائے۔ اور وہ سال میں کم از کم ایک بار رمضان میں قرآن سن کر یا پڑھ کر اپنا منصب اور فریضہ ذہنوں میں تازہ کرسکیں۔ قرآن کا نزول اور اس کی تلاوت اور روزے کی مجاہدانہ تربیت اسی لئے ہے کہ فرزندانِ اسلام دین کو غالب اور قائم کرنے کیلئے ہی زندہ رہیں اور کسی بھی وقت اپنے اس منصبی فریضے سے غافل نہ ہوں۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

فکرعجم

ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۲۴)

ڈاکٹر ابو معاذ

برِّ صغیر میں شیعیت کا فروغ

مغلیہ دور

مغلوں کے ابتدائی دور میں ہمیں دکّن کی تین ایسی ریاستوں کا وجود ملتا ہے جو گولکنڈہ' بیجاپور اور احمد نگر سے موسوم تھیں۔ یہاں کے شیعہ حکمران سیاسی اور مذہبی اعتبار سے ایرانی صفوی بادشاہوں کے مکمل طور پر وفادار تھے اور وہاں پر صفوی بادشاہوں اور ائمہ دوازدہ کے نام ہی کا خطبہ منابر مساجد پر پڑھا جاتا تھا۔ یہ حقیقت بھی دل کو لگتی ہے کہ یہاں پر بھی صفوی طرز کی ملوکیت مبنی بر عقائد شیعہ صفوی رائج تھی اور سنیوں کا استیصال یہاں کے مقامی حکمرانوں کے ہاں بھی مروج تھا۔ اسی وجہ سے مغل بادشاہ اور ان کے دربار اور افواج کے سنی سرداران ریاستوں کے وجود سے برافروختہ تھے اور وہ سرزمین ہند میں صفوی بادشاہت کے وفادار حکمرانوں کو زیر کرنے کے درپے تھے۔ بالآخر شاہجہاں کے دور میں پے در پے فوجی مہمات کے نتیجہ میں انہیں عملی طور پر ختم کردیا گیا۔ یہ ایک منطقی امر تھا کہ اس کے بعد صفویوں اور مغلوں کے تعلقات سردمہری کا شکار ہوگئے۔ لیکن کثیر تعداد میں برصغیر کے مختلف خطوں میں شیعہ احباب باقی رہ گئے جن کے ذہنوں پر صفوی طرز کے عقائد چھائے رہے۔ اسی طرح مغلوں کی آمد سے تھوڑا عرصہ قبل کشمیر میں بھی چک بادشاہوں کی متعصب شیعہ حکومت قائم تھی۔ یوسف شاہ چک اس سلسلہ کا آخری تاجدار تھا جسے اکبر نے زیر کیا اور کشمیر پر قبضہ کرکے اسے وہ ہندوستان لے

آیا۔ مغلوں کے مقابلہ سے یوسف شاہ کی فوج کے سُنّی دستوں نے جنگ میں مغلوں کا ساتھ دے کر شیعہ کشمیری فوج کی شکست کو یقینی بنایا تھا' پھر کشمیر میں مرکز میں شیعہ آبادی کا دباؤ کم ہو گیا اور یہ لوگ کارگل' سکردو اور گلگت کے دور افتادہ علاقوں میں باقی رہ گئے۔

ہمایوں کے ہمراہ ہندوستان آنے والے ایرانی فوجیوں کا ذکر گزر چکا ہے۔ یہ لوگ شمالی ہندوستان میں مختلف شہروں میں مرتکز ہو کر چھوٹے چھوٹے گروہوں (Pockets) کی شکل میں باقی رہ گئے۔ یہ برصغیر میں موجود دراصل چھوٹے چھوٹے ایرانی جزائر تھے جہاں یہ لوگ صفوی طرز کی روایتی شیعیت پر کاربند تھے۔ ان لوگوں کے حلقوں میں مجالسِ عزاء کا انعقاد' تعزیہ نکالنا' علم اور ذوالجناح کے جلوس اور عاشورہ کے ماتم کے مناظر پورے طمطراق اور مذہبی عقیدت سے دیکھے جاسکتے تھے۔ مغلیہ دور میں مقامی سُنّی آبادی ان سے کوئی معاندانہ رویّہ نہیں رکھتی تھی' بلکہ ان لوگوں سے یک جہتی کا اظہار کیا جاتا تھا۔ اس دور میں فرقہ وارانہ تعصّب کم از کم مغلیہ ہندوستان میں کہیں نظر نہیں آتا (ماسوائے اِکّادُکّا معمولی واقعات کے جو قابلِ ذکر نہیں ہیں)۔ اس آبادی کی مذہبی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایران سے علماء و مجتہدین بھی آتے رہے اور انہوں نے ایرانی مذہبی گروہ سے بھی اپنے روابط برقرار رکھے۔

مغلیہ خاندان میں بہت سی ایرانی خواتین بیاہ کر لائی گئی تھیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ مقتدر نورالدین محمد جہانگیر کی ملکہ نورجہاں اور شاہجہاں کی اہلیہ ممتاز محل ہیں (جو پھوپھی بھتیجی بھی تھیں)۔ ان خواتین کے خاندان کے عمائدین اعلیٰ عہدوں پر تعینات تھے۔ نورجہاں کے والد مرزا غیاث الدین تہرانی وزیراعظم ہند کے عہدے پر فائز رہے ہیں۔ ان کے بیٹے آصف الدولہ (جن کا مزار شاہدرہ میں ہے) پنجاب کے گورنر اور اعلیٰ عسکری عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ مغلوں کے ان سسرالی عزیزوں کا اقتدار ہمیں تاریخ کے دھندلکوں میں اپنی آب و تاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ یہ لوگ عملی طور پر شیعہ عقائد کے پابند رہے اور محلات میں اپنی مذہبی رسوم پورے جوش و جذبہ سے ادا کرتے رہے' اور کبھی کبھی اعلانیہ بھی مذہبی تقریبات کا اہتمام کرتے رہے۔ ایران سے آنے والے علماء و مجتہدین کو بھی ان کی سرپرستی حاصل رہی۔

کئی وجوہات کے باعث (جن کا ذکر گزر چکا ہے) مغلیہ عہد میں ایرانی شعراء و ادباء دربارِ ہند کا رخ کرتے رہے۔ ان میں سے کچھ لوگ مثلاً نظیری نیشاپوری آہستہ آہستہ سنی عقائد اختیار کر گئے اور یہیں بس گئے' مگر کچھ لوگ جیسے مشہور فارسی شاعر عرفی شیرازی بدستور کٹر شیعہ عقائد کے پیرو کار رہے۔ ہر چند وہ لاہور میں مدفون ہوئے' مگر ان کی وصیت کے مطابق ان کی ہڈیاں نجف لے جا کر دفن کی گئیں۔ شعراء و ادباء کے علاوہ وزراء اور فوجی سردار بھی ایران سے آتے رہے۔ یہ لوگ بھی اپنے عقائد پر نہ صرف کاربند رہے بلکہ کسی حد تک ان کا اثر و رسوخ عوام الناس پر ہونے کے باعث یہ لوگ برصغیر میں شیعیت کی ترویج میں مددگار ثابت ہوتے رہے۔

یہ وہ وجوہات تھیں جن کے باعث یہاں شیعیت کو فروغ حاصل ہوا۔ ہر چند کہ انہوں نے ہند کی غیر متعصبانہ فضا میں رہتے ہوئے آہستہ آہستہ کسی حد تک اپنے خیالات میں مصلحتاً یا دانستہ طور پر نرمی پیدا کر لی' مگر صفوی اثرات کا کچھ نہ کچھ اثر ان پر باقی رہا۔

مغلوں کے زوال کے زمانہ میں برصغیر میں سُنّی شیعہ اختلافات سر اٹھانے لگے اور نوبت کھلی جھڑپوں اور ایک دوسرے کی تکذیب و تکفیر تک آن پہنچی۔ اس مکدر فضا کو ختم کرنے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ پیش پیش تھے جنھوں نے شیعوں کو اسلام کا فرقہ قرار دے کر انہیں امت مسلمہ کا جزو قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدینؒ اس حد تک آگے بڑھ گئے تھے کہ متعصب سُنّی علماء نے ان پر تشیع کا الزام لگایا تھا۔ اس کا ذکر ہمیں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب "برِّ صغیر کی ملّتِ اسلامیہ" میں ملتا ہے۔

انگریزوں کا دور

انگریزوں نے اپنے زمانہ اقتدار میں دانستہ طور پر شیعہ سُنّی اختلافات کو ہوا دی۔ کئی مقامات پر شیعہ نوابوں کی سرپرستی میں دیسی ریاستیں بھی قائم ہوئیں اور اِکّا دُکّا اختلافات سامنے آنا شروع ہوئے جس کے نتیجہ میں کبھی کبھار لڑائی جھگڑے کی نوبت آتی رہی۔ یہ صورت حال یا تو شیعہ اکثریت کے علاقوں میں پیش آتی یا پھر اُس جگہ جہاں شیعہ احباب کثیر تعداد میں ہوتے تھے۔ انگریز "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کرتے

رہے' جبکہ ان کے ایجنٹ ملّتِ اسلامیہ کے دونوں فرقوں میں نفرت کے بیج بوتے رہے۔

انگریزوں کے دور میں ایک گہری سازش کے تحت برصغیر کے مسلمانوں کے ملّتِ ایران سے سیاسی' سماجی' ادبی اور لسانی روابط منقطع کر دیئے گئے اور برِصغیر کے مسلمان ثقافتی اور لسانی اعتبار سے اہل ایران سے دُور ہٹتے چلے گئے۔ ہر چند کہ زائرین ہندوستان سے ایران آتے جاتے رہے' مگر ان کی تعداد بہت کم تھی۔ یہ لوگ ایران میں مختصر قیام کے دوران وہاں کے لوگوں سے زیادہ قرب حاصل نہ کر سکتے۔

جنگل کے انقلاب کو کچلنے کیلئے جب انگریز فوج گیلان بھیجی گئی تو وہاں پر مرزا کوچک کے خیالات اور تحریروں سے متأثر ہو کر برصغیر کے بہت سے مسلمان فوجی باغی ہو کر مرزا کوچک کے لشکر سے جا ملے۔ یہ لوگ جذباتی ہندوستانی مسلمان تھے' جنہیں بعد میں مرزا کوچک کی حکومت اور تحریک کے خاتمے پر پکڑ کر بغداد لایا گیا اور پھانسی دے دی گئی۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران ایران میں تعینات مسلمان ہندوستانی فوجیوں نے تہران میں بزمِ اقبال کی بنیاد رکھی' جس کے پلیٹ فارم سے ایران میں فکرِ اقبال کی اشاعت ہوئی اور ایران میں اسلامی انقلاب کی بنیاد رکھ دی گئی۔

قیامِ پاکستان کے بعد

ایران میں شیعیت عملی طور پر ملکی سیاست میں داخل ہو چکی تھی اور روشن فکر مصلحین کے اثرات وہاں کے عوام کے دلوں میں گہرے ہونا شروع ہو چکے تھے' مگر پاکستان کے شیعہ احباب ایران اور ہند کے مابین آہنی پردے کے باعث ان اصلاحی تحریکوں سے لاعلم رہے تھے۔ اور ابھی تک ان پر صفوی دور یا زیادہ سے زیادہ ابتدائی قاچاری دور کے اثرات باقی تھے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے ایران اور برِصغیر کے مسلمانوں کے درمیان اپنے دورِ اقتدار میں ایک دبیز آہنی چادر (Iron Curtain) کے ذریعہ دونوں اقوام کی ایک دوسرے سے مکمل طور پر علیحدگی قائم کر دی تھی۔ آپس کے لسانی' فکری' ادبی' سماجی اور مذہبی روابط عملی طور پر منقطع ہو چکے تھے۔ امتدادِ زمانہ سے فارسی کا ایرانی لہجہ تک برصغیر میں اجنبی ہو چکا تھا' جب کہ یہی

لہجہ مغلیہ دور میں برصغیر میں بھی مروّج اور متداول تھا' ورنہ نظیری' عرفی' صائب اور ابو طالب کلیم جیسے لوگ برّ ِصغیر میں آنے کے بعد یہاں کے ادبی حلقوں سے رابطہ کی سہولت سے محروم رہ جاتے۔

اس دوران برصغیر کے شیعہ احباب ایک خوفناک اور مایوس کن فکری خلاء سے گزر رہے تھے' کیونکہ ایرانی فکری سرچشمہ سے ان کے دل و دماغ کی آبیاری اب قطعی طور پر ناممکنات میں سے تھی اور بہت ہی کم تعداد میں زائرین کو ایران جانے کا موقع فراہم ہوتا تھا۔ ایک تو ان لوگوں کا قیام مختصر عرصہ کے لئے ہوتا' دوسرے یہ کہ زائرین کی اکثریت نیم خواندہ لوگوں پر مشتمل ہوتی تھی جو وہاں کی فکری تحریکوں سے واقفیت حاصل نہیں کرپاتے تھے۔ اس لئے ہمارے ہاں کے شیعہ احباب قنوطی اور قدیم روایتی صفوی شیعیت ہی کی قدرے تبدیل شدہ زوال پذیر فکری حالت پر قائم تھے۔ ان پر جمود کی کیفیت طاری تھی۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد جب ایران سے ہمارے روابط ایک بار پھر استوار ہوئے اور لوگوں کی آمد و رفت آزادانہ طور پر شروع ہوئی تو وہاں کے فارسی کے اجنبی لہجے اور فکری بُعد کے باعث شروع شروع میں باہمی رابطوں کے دوران زبردست مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ دونوں ممالک کے عوام کے مزاج اور طرزِ فکر میں جو تبدیلی آچکی تھی اس نے دونوں قوموں کے درمیان ایک تناؤ پیدا کر رکھا تھا۔ برصغیر کے لوگ مغرب زدگی کے مراحل سے گزر چکے تھے' جبکہ ایرانی اپنی روایتی تاریخ کے تسلسل میں انقلاب اور اصلاح کی جانب گامزن تھے۔

تھوڑے عرصہ کے لئے ایران جانے والے لوگوں کو جب وہاں کے بڑے بڑے شہروں میں جانا ہوتا تو خلافِ توقع وہاں پر وہ مغربی تہذیب کی یلغار' میکدوں کی رونق اور قمار خانوں کی چکاچوند روشنیاں دیکھتے۔ شراب و شباب کے کھیل' جن کی ہر طرح سے سرپرستی امریکی اور مغربی استعمار کی آلہء کار پہلوی بادشاہت کر رہی تھی' اس کے شرمناک مظاہرے اہل ضمیر لوگوں کو ملول و مشوّش کر دیتے۔ اکثر لوگ تو ظاہری طور پر یہ سمجھ بیٹھتے کہ ایران میں اب فحاشی' عریانی' اخلاقی انحطاط اور بے راہ روی کا عروج اور

غلبہ قائم ہو چکا ہے اور اس قوم سے بہتری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ عوام کی غالب اکثریت خصوصاً دیہی علاقوں کے لوگ اپنے سادہ مزاج' روایتی اقدار پر عمل کرنے اور مذہبی جذبات سے سرشار ہونے کے باعث اپنے ماضی کی عظیم اسلامی روایات سے منسلک تھے۔ روایتی علماء کے پراپیگنڈہ کے باعث ضعیف الاعتقادی' توہمات اور مافوق الفطرت کہانیاں لوگوں کے ذہنوں میں ابھی تک رچی بسی تھیں۔ شہروں کے لوگ اور تعلیم یافتہ حضرات اگرچہ مغرب کے جدید فکر سے آگاہ ہو رہے تھے' مگر معاشرے میں مذہب سے گہری جذباتی وابستگی اپنی جگہ پر بہرصورت قائم تھی۔ پہلوی دور میں سرکاری سرپرستی میں زبردستی مغربی لباس' کلچر اور رہن سہن کو فروغ دینے کی جو بھی کوششیں ہو رہی تھیں عامۃ الناس انہیں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ مغربی تہذیب و تمدن کے جبراً فروغ کے خلاف عوامی جذبات اکثر بھڑک اٹھتے تھے اور لوگ شاہی پولیس اور دیگر ایجنسیوں کے جبرواستبداد کا مقابلہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ مولانا روم' سعدی' حافظ اور جامی کے اشعار کی بازگشت ابھی بھی سنائی دیتی تھی' مگر سرسری نظر دوڑانے سے لوگوں کو ایرانی قوم کے دلوں میں لپکتے ہوئے شعلوں کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ شاہ کی بدنامِ زمانہ خفیہ ایجنسی "ساواک" کی دہشت دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے کارندوں کے خوف سے لوگ اجنبیوں کے سامنے زبان کھولنے سے پرہیز کرتے تھے اور زیادہ تر اشاروں اور کنایوں کی زبان استعمال ہوتی تھی۔ حق گوئی کے پیکر زیب دار ہو رہے تھے' مگر کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔

پاکستان سے جانے والے شیعہ احباب ایران میں فروغ پانے والے اخلاقی انحطاط اور ظاہری وضع قطع سے کچھ نہ کچھ باخبر تو تھے' اور اس پر اپنے کرب و ملال کا چپکے چپکے اظہار بھی کر رہے تھے' مگر اندرونِ خانہ آنے والی ذہنی اور فکری تبدیلیوں سے عموماً بے خبر تھے۔

انقلابِ اسلامی سے قبل کی تحاریک کو پہلوی دور میں پریس اور دیگر ذرائع ابلاغ اکثر چھپاتے رہے تھے۔ سرکاری سنسر شپ اور سختی کے باعث عموماً خبریں باہر نہیں آتی تھیں۔ سرکاری سطح پر حکومت پاکستان کے شاہی ایران سے روایتی دوستانہ اور برادرانہ

تعلقات تو قائم تھے ہی' ہمارے ہاں بھی ایران کی شہنشاہیت کے ایوانوں کو خوش رکھنے کے لئے ایسی خبروں کو خفیہ رکھا جاتا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی خبروں کا علم ہی ہمیں کم ہوتا تھا۔ یہ پردہ داری اور گہرا سکوت عظیم طوفان اور انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔

شروع شروع میں جب انقلابِ اسلامی کی تحریک کی روز افزوں مقبولیت کی خبر پاکستان میں پہنچی تو پاکستان کے پڑھے لکھے لوگوں نے حیرت و استعجاب کا اظہار بھی کیا اور کچھ لوگ تو بڑی حد تک کنفیوژ بھی ہو گئے۔ انہیں یہ سمجھنے میں بڑا عرصہ لگا کہ یہ سب کچھ اچانک کیسے رونما ہو گیا کہ یکایک ایران کے در و بام سے اللہ اکبر اور اسلام کی صدائیں آنے لگیں اور پہلی بار وہاں کے لوگوں کی اسلام سے جذباتی وابستگی اور شیفتگی کا ثبوت ملا' حالانکہ اس تحریک کے پس منظر میں ایک صدی کی محنت اور جوش و ولولہ تھا۔

ایران کے اسلامی انقلاب کی مکمل کامیابی سے تمام مذہبی حلقوں کو حیرت اور کسی حد تک خوشی ہوئی اور پاکستان کی غیر شیعہ مذہبی تنظیموں نے بھی اس پر اپنی خوشی کا برملا اظہار کیا' مگر ہمارے شیعہ احباب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ چونکہ ہمارے ہاں کے شیعہ حضرات نے اہلِ ایران کے ساتھ سو برس سے زائد عرصہ تک عظیم فکری سفر طے نہیں کیا تھا' اور وہ ایران کے حالات سے لاعلمی کے باعث ایک فکری خلاء میں معلق تھے' لہٰذا یہ تمام حالات انہیں خوشگوار حیرت و استعجاب کی کیفیت میں لے آئے جہاں ان کے اپنے مذہبی جذبات برانگیختہ بھی ہوئے اور انہیں عرصہ دراز کے بعد دل کی گرمی کا سامان بھی میسر آیا۔ ابھی وہ حیرت و استعجاب کی حالت میں ہی تھے کہ ایران کے کچھ غیر ذمہ دار اور جذباتی حلقوں کی جانب سے انقلاب کو دیگر اسلامی ممالک میں برآمد کرنے کی باتیں ہونے لگیں۔ پاکستان ایران کا ہمسایہ تھا اور یہاں کی اکثریتی سُنّی آبادی کے دلوں میں وسوسوں نے جنم لینا شروع کیا۔ اس جذباتی دور میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور کنفیوژن کے دھندلکوں سے جو صورتِ حال ابھرنا شروع ہوئی وہ حقیقت سے قدرے مختلف تھی۔ اس جذباتیت کی فضا میں دونوں جانب سے کسی حد تک غیر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ سید جمال الدین افغانی' علی شریعتی مرحوم' آیت اللہ خمینی اور سب سے بڑھ کر حضرت علامہ اقبال کے جن افکار و نظریات نے یہ انقلاب برپا کیا تھا ان پر نسبتاً کم توجہ دی جانے لگی

اور ذہنوں پر دھند چھا گئی۔

اسی حالتِ استعجاب میں دنیا بھر کے غیر شیعہ افراد نے انقلابی ایرانیوں کی وقتی جذباتیت کو غلط انداز میں سمجھنا شروع کر دیا اور پھر دونوں جانب ہی سے غیر ذمہ داری کے مظاہرے ہونا شروع ہوئے۔ درحقیقت دونوں جانب کی خاموش اکثریت باہمی اختلافات اور اِکا دُکا تصادم کے ان غیر ذمہ دارانہ واقعات اور حالات سے قطعاً لاتعلق، بلکہ کسی حد تک بیزار رہی اور دونوں جانب کے ذی شعور حلقوں کی طرف سے افہام و تفہیم اور خوشگوار فضا کی بحالی کی مخلصانہ کوششیں بھی ضروری سمجھی گئیں، لیکن یہ تمام کی تمام کوششیں اس جذباتی فضا میں صدا بصحرا ثابت ہونے لگیں۔ فقہی اور گروہی اختلافات کی آگ کو بھڑکانا کچھ تنگ نظر لوگوں کے مفاد میں تھا، اس لئے یہ لوگ قتل و غارت کی راہوں پر چل نکلے۔ اس دوران بد قسمتی سے ہمارا ملک عمومی طور پر دہشت گردی کی سرگرمیوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ مزید برآں دہشت گردوں نے اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لئے لسانی، قبائلی اور گروہی اختلافات کے ساتھ ساتھ فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دینے کے لئے ایسی سرگرمیاں شروع کر دیں جو نہ صرف نفرت پر منتج ہوتی تھیں بلکہ مزید خون خرابے کا باعث بنتی تھیں۔

محبِّ وطن اور ذی شعور حلقوں کی جانب سے اس امر کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ پاکستان کی سلامتی اسی میں ہے کہ فرقہ واریت کو ختم کیا جائے، جذباتیت کی بجائے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا جائے اور باہمی ہم آہنگی اور اخوت کی فضا پیدا کی جائے، تاکہ اسلام کی صحیح روح بیدار کی جاسکے۔ اور یہ بتایا جائے کہ ہم سب کے سب مسلمان ہیں اور شیعہ و سُنّی حضرات میں کوئی بھی عملی و فکری اختلاف اس نوعیت کا قطعاً نہیں ہے کہ آپس میں افہام و تفہیم میں مشکل پیدا ہو سکے۔ یہ سوچ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سوچ کی عکاس تھی اور یہ راستہ کانٹوں سے اٹا ہوا تھا۔ ملک کی فضا کچھ اس طرح کی بن چکی تھی کہ ایسی سوچ کے حامل افراد کو یہ کام بہت مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ اور بہت چاہتے ہوئے بھی لوگ ہمت کرنے سے گھبرا رہے تھے اور ایک مصلحت آمیز خاموشی ہی میں عافیت سمجھ رہے تھے۔ مگر یہ کام بہت ہی ضروری تھا اور فوری کرنے کا بھی تھا۔

کسی حد تک اس طرح کی کوششیں برادر اسلامی ملک ایران سے بھی کی گئیں کہ کسی طرح ذہنی ہم آہنگی کی داغ بیل ڈالی جا سکے۔ کسی ایرانی شاعر نے پاکستانی قوم کو کیا خوب پیغام دیا ہے کہ ؎

رشتۂ پیوندِ ما حبل المتین دینِ ماست
زین سبب دل ہای ما از مہرہم آگندہ است

(ہمارے باہمی اتحاد کا رشتہ ہمارے دین کی مضبوط رسی ہے اور اسی کے باعث ہمارے دلوں میں محبت کی مہک اور خوشبو موجود ہے۔)

ہم لوگوں کو بھی نیت پر شک کرنے کی بجائے خیرسگالی اور محبت کے ایسے جذبات کا جواب نیک جذبات سے دینا ضروری ہے۔ دریں اثناء یہ بھی بہت اہم ہے کہ ہم لوگ غیر مسلم قوتوں اور استعماری طاقتوں کے ہتھکنڈوں کا مقابلہ کرنے کے لئے باہمی مفاہمت اور اتحاد کو فروغ دینے کا سوچیں۔

شیعہ اور سُنّی فرقے صدیوں سے قائم ہیں۔ شیعہ حضرات قرآن و سُنّت ہی کو اپنی تعلیمات کا ماخذ قرار دیتے ہیں' وہ نہ تو اسلام کے کسی رکن سے انکار کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث کے منکر ہیں۔ ان کے ہاں احادیث کے مجموعے تو مختلف ہیں اور راوی بھی مختلف ہو سکتے ہیں' مگر ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب "خطباتِ بہاولپور" کی رو سے اکثر احادیث سنی اور شیعہ ماخذوں میں مشترک ہیں۔ تاریخ میں ہمیں کسی ایسے جیّد سُنّی عالم یا فقیہہ کا ذکر نہیں ملتا جس نے شیعہ حضرات کی تکفیر کی ہو۔ کسی فردِ واحد یا ایک مخصوص گروہ کے عقائد قابل اعتراض ہو سکتے ہیں' ایسے لوگ سُنّیوں میں بھی پائے جاتے ہیں' مگر شیعہ حضرات اجتماعی طور پر ایسے خیالات کا اظہار نہیں کرتے۔ شیعہ سُنّی معاملات افہام و تفہیم سے طے بھی ہو سکتے ہیں اور مصالحت کی راہیں بھی دریافت ہو سکتی ہیں' مگر اس کام میں سخت محنت' دیانت داری اور تدبر کی ضرورت ہے۔

قیامِ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی طویل جدوجہد آزادی کا نتیجہ تھا اور یہ قائداعظم کی عظیم قیادت کے باعث ممکن ہوا۔ تاہم تحریک پاکستان کی فکری بنیاد علامہ اقبال کی سوچ پر قائم ہے۔ حضرت علامہ اقبال پاکستان' ایران اور دیگر فارسی بولنے

والے ممالک میں یکساں مقبول ہیں۔ علامہ اقبال کو ایران میں احتراماً مولانا محمد اقبال لاہوری کہا جاتا ہے۔ ہم اگر اپنے مشترک مفکر کی سوچوں پر عمل کریں تو ہم اسلام کی وسیع اور متحرک جہتوں سے روشناس ہوں گے۔ فکرِ اقبال ہم سب کے لئے یکساں طور پر قابل قبول بھی ہے اور ہم سب ان کے افکار کے حامی اور مؤیّد ہیں۔ علامہ اقبال کی سوچ کا سرچشمہ قرآن کا ابدی پیغام اور توحید و رسالت کے مشترک نظریات ہیں جس پر ہم سب متفق ہیں۔ اگر ہم فکر اقبال کو مخلصانہ طور پر اپنالیں تو ہمیں اپنی نظریاتی بنیاد کو مستحکم بنانے کا موقع بھی مل سکے گا اور ہم اپنی فکری میراث کے حصول میں کامیاب بھی ہو سکیں گے۔ ○○

(تمام شد)

بقیہ : امام ابنِ تیمیہؒ

"کیا میرے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ مانگے اور میں اس کو نہ دوں؟ اس سے اس کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہو جائے گا"۔ پھر کہا : "اگر کسی سے علم مانگا جائے تو اس کے دینے سے کسی کو انکار نہیں کرنا چاہئے۔"

دعوتِ فکر

محترم قارئین! آج ہم اپنے اسلاف کے کردار کے آئینے میں اپنے کردار و عمل کا جائزہ لیں تو سوائے ندامت و شرمندگی کے ہمارے پاس اور کچھ نہیں۔ وہ کس درجہ کے مسلمان تھے اور ہم کس درجہ کے مسلمان ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار' وہ کردار' تُو ثابت' وہ سیّارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثرّیا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا!

★ ★ ★